قال تعالیٰ

…عد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصٰلحٰت لیستخلفنہم فی الارض

کما استخلف الذین من قبلہم ولیمکنن لہم دینہم الذی ارتضیٰ لہم

بحمد اللہ چونکہ این عجالۂ نافعہ از تصانیف عالم ربانی مقبول بارگاہ یزدانی

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہ محدث دہلوی بسیار نافع

و معتبر بود لیکن بوجہ زبان فارسی نفعش عام نبود بنا بریں ترجمۂ آن مسمیٰ بہ

الفضل الجزیل

۱۳۵۸ھ

ترجمۂ اردو



السر الجلیل فی مسئلۃ التفضیل

از تالیفات

جناب مولانا مولوی عبد اللطیف صاحب کونی پتی را

این احقر محمد عثمان مالک کتب خانہ اشرفیہ دہلی

باہتمام طبع کرد

(مطبوعہ انصاری برقی پریس دہلی)

URC
2957

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی نبیہ الکریم وعلی آلہ
ذوی الفضل العظیم وصحبہ اولی الفخر
الجسیم اما بعد چون از تسوید وتبییض تحفہ
اثنا عشریہ بعون عنایت الٰہی فراغت حاصل
شد بعضے از دوستان صادق و یاران موافق
بآرزوئے تمام واشتیاق مالاکلام استدعا
نمودند کہ مسئلہ تفضیل را نیز تفصیلے لائق
دادہ شود تا درین مباحث کہ نقل ہر مجلس و
مشغلہ ہر محفل اند تعطشے باقی نماند بنا بران
این رسالہ بطریق عجالۃ الوقت بہ تحریر آمد کہ
مالایدرک کلہ لایترک کلہ وسمیتہا
بالسر الجلیل فی مسئلۃ التفضیل وما
توفیقی الا باللہ علیہ توکلت وھو حسبی
ونعم الوکیل واین رسالہ نیز تبرکا بعدد ائمہ
اثنا عشر رضی اللہ عنہم بر دوازدہ مقدمہ
مرتب کردہ **مقدمہ اول** باید دانست
کہ فضل منقسم بدو قسم است قسم اول فضل
اختصاصی کہ از جانب خدائے سابقہ عملی
وبے خدمتی وعبادتی چیزے بر چیزے فضل
بخشد وترجیح دہد زیرا کہ او مالک است ہمہ
را خواہد از مملوکات خود بافزونی مرتبہ واعلاء
منصب امتیاز دہد ودرین فضل عمومیت

نحمدہ ونصلے علی نبیہ الکریم وعلی آلہ
ذوی الفضل العظیم وصحبہ اولی الفخر
الجسیم اما بعد جبکہ تحفہ اثنا عشریہ کی تصنیف
وتحریر سے اللہ تعالیٰ کی عنایت ومدد فرمانے سے
فراغت حاصل ہوگئی تو بعضے سچے دوستوں
نے بڑی آرزو اور تمنا کے ساتھ نہایت ہی شوق
سے درخواست کی کہ تفضیل کے مسئلہ کو بھی
اچھی تفصیل کیساتھ بیان کیا جائے تاکہ ان بحثوں
اور ذکروں میں جو کہ ہر مجلس ومحفل میں نقل
ہو رہی ہیں کسی قسم کی تشنگی وپیاس باقی نہ رہے
تو اس بنا پر یہ مختصر سا رسالہ نہایت ہی جلدی اور
عجلت سے لکھا گیا ہے کہ اگر کوئی چیز ساری نہ ملے
تو تھوڑی کو ہی لے لیا جائے اور ہم نے اس رسالہ کا
نام السر الجلیل فی مسئلۃ التفضیل رکھا ہے اور
مجھکو کسی قسم کی توفیق نہیں ہے سوائے اللہ تعالےٰ
کے عنایت فرمانے کے اور اسی پر میں بھروسہ
کرتا ہوں اور وہی میرے لئے کافی ہے اور اچھا
وکیل ہے اور اس رسالہ کو ہم نے بھی بطور تبرک کے
شیعوں کے بارہ ۱۲ اماموں کے عدد کے موافق بارہ ۱۲
مقدموں پر مرتب اور تیار کیا ہے (شیعوں کے
نزدیک جو لوگ امام مانے جاتے ہیں وہ ہم اہل سنت
کے نزدیک امام نہیں مانے جاتے۔ شرح عقائد نسفی وغیرہ

بنہایت وسیع کہ ناطق و غیر ناطق و حیوان و جماد و نبات بلکہ جواہر و اعراض را نیز شامل است مثل تفضیل ملائکہ در آفرینش کہ پیش از ہمہ خلعت وجود پوشیدند و مثل تفضیل انبیاء کہ بے استعداد سابق بعبادات و ریاضات بانزال وحی مشرف شدند و ازہمیں جنس است تفضیل سیدنا ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہما وسلم بر جمیع اطفال و تفضیل ناقہ حضرت صالح علیہ السلام بر شتران عالم و تفضیل گوسفندے کہ در فدیہ حضرت اسمعیل علی نبینا و علیہ السلام بکار آمد بر جمیع ضحایا و ھدایا و تفضیل مکہ و مدینہ بر جمیع بلاد و تفضیل مساجد بر سائر بقاع و تفضیل حجر اسود بر سائر احجار و تفضیل ماہ رمضان بر ماہہا و تفضیل روز جمعہ عرفہ و عاشورا بر دیگر روزہا و عشرہ ذی الحجہ بر بقیہ ایام و شب قدر بر شبہائے دیگر و نماز فرض بر نفل و نماز عصر و صبح بر دیگر فرائض و تفضیل سجود بر قعود در ارکان نماز و تفضیل بعض اذکار بر بعض و ازیں تمثیلات واضح شد کہ دریں قسم فضل نیز اقسام است پس گاہے وجہ فضل معقول بشر می شود مثل تفضیل مساجد بر دیگر بقاع کہ محل ذکر الٰہی اند لیکن تخصیص ایں بقعہ بانکہ مسجد کردہ شد محض بعنایت او تعالیٰ است و گاہے وجہ فضل ہیچ در عقل بشر نمی آید مثل تفضیل حجر اسود بر سائر احجار و تفضیل بقعہ کعبہ

وغیرہ کتب عقائد۔ مترجم) **پہلا مقدمہ** جاننا چاہیے کہ فضل و فضیلت دو قسم پر تقسیم ہوتی ہے۔ پہلی قسم فضیلت اختصاصی کی ہے جو کہ خداوند عالم کی طرف سے بغیر کسی عمل اور خدمت کرنے کے اور بے کسی عبادت بجا لانے کے کسی ایک چیز کو دوسری چیز پر یا کسی ایک آدمی کو دوسرے آدمی پر فضیلت دیجائے اور ترجیح و زیادتی بخشی جائے یہ اسلئے کہ وہ مالک ہی چاہے جس کو اپنے بندوں اور اپنی مملکت سے کسی مرتبہ کی زیادتی دیکر اور بلند و اعلیٰ منصب عنایت کر کے ممتاز فرمائے اور اس فضل و بزرگی میں عمومیت بہت وسیع ہے ایسا کہ انسان اور غیر انسان یعنی دیگر حیوان اور تمام حیوانات اور جمادات اور نباتات بلکہ تمام جواہر اور اعراض کو بھی شامل ہے جیسا کہ فضیلت فرشتوں کی ہر پیدا فرمانے میں کہ تمام مخلوق سے پیشتر پیدا ہونیکا لباس پہن چکے ہیں اور جیسا کہ فضیلت عطا کرنا انبیاء علی نبینا و علیہم السلام کو عبادت اور ریاضت سے استعداد حاصل کئے بغیر ہی وحی نازل فرما کر ان کو مشرف و مکرم بنا دیا اور اسی قسم کی فضیلت ہے جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے فرزند ارجمند حضرت ابراہیم ابن ماریہ قبطیہ کی تمام بچوں پر اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو فضیلت دینا تمام جہاں کے اونٹوں پر اور اس دنبہ کو فضیلت عطا کرنا تمام قربانیوں پر جو حضرت اسمعیل علی نبینا و علیہ السلام کے فدیہ میں کام آیا تھا اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کو فضیلت بخشنا تمام شہروں پر اور مسجدوں کو فضیلت دینا تمام بقعوں اور مقاموں اور

بر دیگر بقاع و نیز آن فضل گاہے اصلی می شود
مثل تفضیل حجر اسود بر سائر احجار و گاہے تبعی
و طفیلی مثل تفضیل ذبیحہ اسمٰعیل و تفضیل حضرت
ابراہیم ابن رسول اللہ علیہما السلام بالجملہ
مدار فضل درین قسم بر تخصیص مجرد است بلا عملی
ولا سببے قسم دوم فضل جزئی کہ بمقابلہ عمل
عطا میشود و این قسم نسبت بقسم سابق خصوصے
دارد کہ در غیر اہل عمل یافتہ نمیشود و آنہا سہ گروہ
اند ملائکہ و جن و انس و مرجع این فضل در آخر کار
ہمان فضل اختصاصی است چنانچہ واضح خواہد
شد و این قسم فضل بیشتر محل تنازع می باشد
بخلاف فضل اختصاصی کہ درینجا محض نص
شارع کفایت می کند و نیز درینجا باید فہمید کہ
جمیع صحابہؓ را فضل ثابت است بدلیل اختصاص
الی اصحابی یا انصاری او اصہاری او ازواج
مطہرات و بنات مکرمات را نیز چنانچہ ظاہر است
لیکن حرف در فضیلت این بزرگان فیما بینہم
میرود و ظاہر از بعض احادیث آن ست کہ
آن ہم اختصاصی است لیکن نظر دقیق و اکثر
احادیث حکم میکند کہ از قسم فضل جزئی است
آرے در ترتیب خلافت و جدان منصب وزارت
اگر حکم تفضیل اختصاصی بعضے بر بعضے نموده
آید انسب می نماید چنانچہ فابی علیؓ الا التقدیم
الی بکر رضؓ بر آن گواه است۔

بستیوں پر اور حجر اسود کو فضیلت عطا فرمانا تمام
پتھروں پر اور رمضان شریف کو فضیلت دینا تمام
مہینوں پر اور فضیلت روز جمعہ اور روز عرفہ اور روز
عاشورہ کو اور دنوں پر اور ماہ ذی الحجہ کے پہلے دس
دنوں کو فضیلت دینا باقی دنوں پر اور شب قدر کو
فضیلت دینا اور راتوں پر اور فرض نماز کو فضیلت دینا
نفلوں پر اور عصر اور صبح کی نماز کو فضیلت بخشنا دوسری
فرض نمازوں پر اور سجدہ کو فضیلت دینا قعدہ پر ارکان
نماز میں اور بعضے اذکار کو فضیلت دینا بعض ذکروں
پر اور ان مثالوں سے خوب معلوم ہوگیا کہ فضیلت
کی اس قسم میں بھی کئی قسمیں ہیں پس کبھی تو فضیلت
کا کوئی سبب آدمی کو معلوم اور محسوس ہوتا ہے جیسے
کہ فضیلت مسجدوں کی اور مقاموں اور محلوں پر ہے
کہ معلوم ہے کہ مسجدیں ذکر الٰہی کا محل ہیں لیکن تخصیص
اور جگہ کی اس سبب کہ مسجد بنائی گئی ہے یہ محض اللہ
تعالیٰ کی مہربانی اور عنایت سے ہے اور کبھی فضیلت کی وجہ
آدمی کی عقل اور سمجھ میں کچھ بھی نہیں آتی جیسے فضیلت
حجر اسود کی اور پتھروں پر ہے جو بالکل غیر معلوم ہے،
اور اسی طرح سے فضیلت مکان و محل کعبہ کی دیگر
مقامات پر اور بھی سمجھنا چاہیے کہ وہ فضیلت کبھی تو اصلی
ہوتی ہے جیسے کہ حجر اسود کی فضیلت اور پتھروں پر ہے
اور کبھی وہ تبعی اور طفیلی ہوتی ہے جیسے کہ فضیلت
حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبیحہ ونجبہ کی ہے اور
جیسا کہ فضیلت حضرت ابراہیم ابن رسول خدا علیہما
السلام کی ہے، حاصل کلام کا یہ ہے کہ اس قسم میں فضیلت کا مدار فقط تخصیص پر ہے بغیر کسی عمل اور

کسی کوشش کرنے کے افضل کی دوسری قسم فضل جزئی ہے جو عمل کے بدلہ اور مقابلہ میں ملتی اور عطا ہوتی ہے اور یہ قسم بہ نسبت پہلی قسم کے ایسی خصوصیت رکھتی ہے کہ عمل کرنے والوں کے سوا اور کسی میں نہیں پائی جاتی اور وہ (عمل کرنیوالے) تین فرقہ ہیں۔ اوّل فرشتے دوؔم جن سوؔم انسان اور مرجع اس فضیلت کا انجام کار وہی فضل اور فضیلت اختصاصی ہے جیساکہ آگے واضح اور ظاہر ہو جائیگا اور فضیلت کی یہی قسم اکثر جھگڑے اور تنازع کا محل و مقام معلوم ہوتا ہے بخلاف فضل و فضیلت اختصاصی کے اس لئے کہ اُس جگہ محض شارع کا حکم کافی ہو جاتا ہے اور اس مقام میں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ تمام صحابہ رسولِ خدا کے لئے فضیلت ثابت ہے اختار لی اصحابًا و انصارًا واصهارًا کی دلیل سے (یعنی پسند فرمایا ہے میرے لئے اللہ تعالیٰ نے اصحاب اور انصار اور رشتہ دامادی اور قرابت کو) اور حضرات ازواج مطہرات اور بنات (بیٹیاں) بزرگوار کیلئے بھی فضیلت ثابت ہے، چنانچہ ظاہر ہے لیکن ان بزرگوں کی فضیلت میں باہمی آپس میں کلام کیا جاتا ہے اور بعض حدیثوں سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی اختصاصی ہی ہے مگر باریک بین نظر اور اکثر حدیثیں حکم کرتی ہیں کہ اختصاصی نہیں بلکہ یہ فضل و فضیلت جزئی کی قسم سے ہے، ہاں البتہ خلافت کی ترتیب میں اور منصب وزارت کے پائے جانے میں اگر بعضوں کو بعضوں پر فضیلت اختصاصی کا حکم لگایا اور کیا جائے تو بہت مناسب معلوم ہوتا ہے چنانچہ فابی علیؓ الا تقدیم ابی بکر اس پر گواہ ہے (یعنی حضرت علیؓ نے ابوبکرؓ کے سوا اور کسی کو امام بنانے سے انکار فرمایا)

مقدمۂ دوم فضل جزئی کہ بمقابلہ عمل است نیز اقسام دارد حالا دران اقسام نظر تعمق باید کرد و در محل نزاع قسمی را کہ احق و اولیٰ بالاعتبار است جاری باید ساخت تا مورد فضل جزئی متعین شود و نزاع مرتفع گردد پس اول باید دانست کہ عامل را در عمل خود بہفت وجہ فضیلت بر غیر خود می تواند بود ورائے این ہفت وجہ وجہی دیگر مدار فضل نمی تواند شد۔ اوّل ماہیت یعنی صورت نوعیہ یا صورت صنفیہ او

دوسرا مقدمہ فضیلت جزئی جو کہ عمل کرنے کے مقابلہ اور بدلہ میں ہوتی ہے اسکی بھی کئی قسمیں ہیں لہذا اب اسکی اُن قسموں میں غور سے نظر کرنا چاہیے اور جھگڑے اور نزاع کے موقع میں اُس قسم کو جاری اور اختیار کرنا چاہیے جو لایق اور بہتر ہو اعتبار کی رُو سے تاکہ جزئی فضیلت کا مورد متعین ہو جائے اور نزاع رفع ہو جائے پس پہلے یہ معلوم کرنا اور جاننا چاہیے کہ (کسی کام کے) عامل کو اپنے عمل میں سات وجہ ہے دوسروں پر فضیلت ہو سکتی ہے اور ان سات وجہوں کے سوا اور کوئی وجہ فضیلت کا مدار نہیں بن سکتی اوّل ماہیت ہے یعنی صورت نوعیہ اسکی یا صورت صنفیہ جیسے

مثل فضیلت نماز گذارندہ بر روزہ دارندہ
یا فضیلت صاحب فرائض بر صاحب
نوافل و این را چند صورت است ۔
صورت اول اینکہ شخصے باشد کہ تمام فرائض
ادا میکند و دیگرے بعض فرائض را ادا
می کند و بعض را ترک میکند و نوافل را
می گزارد صورت دوم آنکہ دو کس باشند
از مجاہدان کہ یکی از انہا در معرکۂ کفار جہاد
بسیار می کند و در مواضع خطرناک می
در آید و دیگرے در کومک مقاتلین در دفع
اعداء از چپ و راست سعی بسیار می کند
صورت سوم آنکہ دو شخص باشند کہ
یکی جہاد بسیار می کند
و دیگرے بنماز و روزہ بسیار مشغول میماند
صورت چہارم آنکہ دو شخص باشند از
مجتہدان کہ اجتہاد می کنند و یکی را اصابۂ
حق بیشتر دست میدہد از دیگرے و علیٰ
ہذا القیاس صور بسیار محتمل است و برائے
تفہیم و تمثیل این قدر کہ مذکور شد کافی
است بالجملہ حاصل این وجہ آنست کہ ذات
عمل یکے افضل از ذات عمل دیگر باشد
دوم کمیت عمل یعنی علت غائی و غرض
کہ آن را در عرف شرع نیت گویند مثلاً
شخصی بعمل خود محض رضائے الٰہی را قصد مے
کند و امرے دیگر را با وے مخلوط نمی نماید

فضیلت نماز ادا کرنے والے کی روزہ رکھنے والے پر ہے
یا فضیلت فرض پڑھنے والے کی نفلیں پڑھنے والے پر ہے
اور اس فضیلت کی کئی ایک صورتیں ہیں۔ پہلی صورت
اس کی یہ ہے کہ ایک ایسا شخص ہے کہ وہ تمام فرضوں کو ادا کرتا
ہے اور ایک شخص ایسا ہے کہ وہ بعضے فرضوں کو ادا کر لیتا
ہے اور بعض فرضوں کو چھوڑ دیتا ہے اور نہیں ادا کرتا اور
نفلوں کو ادا کرتا ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ مجاہدوں
میں سے دو آدمی ایسے ہوں کہ اُن میں سے ایک کفار کے معرکوں
میں بہت کچھ جہاد کرتا اور خطرناک اور خوف کے موقعوں میں
گھس جاتا ہو اور دوسرا لڑنے والوں کی کومک میں رہتا ہے
اور دہنے بائیں سے دشمنوں کو ہٹاتا رہتا ہے بڑی کوشش
و سعی کیا کرتا، تیسری صورت یہ ہے کہ دو آدمی ایسے ہیں کہ
ایک تو اُن میں سے خوب ہی جہاد کرتا ہے کفار کے ساتھ
اور دوسرا نماز روزہ میں بڑی سرگرمی سے مشغول رہتا ہے
چوتھی صورت یہ ہے کہ دو شخص مجتہدین میں ایسے ہوں کہ
ہمیشہ اجتہاد کرتے رہیں اور اُن میں سے ایک کو حق اور
صحیح اجتہاد کرنا زیادہ تر میسر ہوتا ہے اُس دوسرے سے اور
اسی قیاس پر بہت سی صورتوں کے پیدا ہونے کا
احتمال ہے اور مثال دینے اور سمجھا سکنے کی لئے جو صورتیں بیان
ہو چکی ہیں وہ بھی تمام کافی ہیں، حاصل کلام کا یہ ہے کہ
اس وجہ کا نتیجہ اور حاصل یہ ہے کہ نفس عمل ایک شخص کا دوسرے
کے نفس عمل سے افضل ہو۔ دوسری کمیت عمل کی ہے یعنی
عمل کی علت غائی اور سبب ہے اور اس کو شریعت کی زبان اور
عرف میں نیت کہتے ہیں مثلاً یوں سمجھئے کہ ایک آدمی اپنے عمل
کرنے میں صرف رضامندی الٰہی کا ارادہ رکھتا ہے اور

ودیگرے باشد کہ در ہر عمل با وے مساوی است
اما در قصد رضائے الٰہی قصور دارد و مدح
وثنائے مردم یا دیگر وجوہ نفع دنیوی را
با وی خلط می کند سوم کیفیت عمل مثلاً
شخصی باشد کہ ہر عمل را با جمیع حقوق
وسنن وآداب ادا می کند ودیگرے بعضی
از سنن وآداب را فوت می کند اگرچہ
باطل نمی کند یا شخصے باشد کہ عمل او صاف
است از لوث کبائر واصرار در صغائر و
دیگرے با وصف طاعت و عبادت ارتکاب
کبائر یا اصرار بر صغائر می نماید وعلیٰ ہذا
القیاس تفاوت حضور قلب و عدم آن
و تلاوتِ قرآن وذکر بر طہارت و عدم آن
چہارم کمیت عمل پس در ادا فرائض
برابر باشد ویکی نوافل زاید دارد بر دیگری
یا دو کس باشند کہ در ابتداء عمل برابر
باشند ویکی پیش از دیگر وفات یافت و آن
دیگر بعد از وی زندہ ماند و فرائض و نوافل
بسیار بجا آرد چنانچہ در حدیث صحیح مثل
این دو شخص مروی است کہ فرمود فاین
صلوتہ بعد صلوتہ وصیامہ بعد
صیامہ۔ پنجم زمان عمل پس شخصی کہ در
صدر اسلام یا در ایام قحط یا در وقتیکہ بر
مسلمین حادثہ افتادہ باشد عملی وطاعتی
نماید یا جہاد وصدقہ وانفاق بجا آرد بہتر است

کسی دوسری چیز کو اس میں نہیں ملاتا اور دوسرا شخص ایسا ہے
کہ ہر ایک عمل کرنے میں اُس پہلے شخص کے برابر ہے لیکن
رضامندی خداوندی کے ارادہ میں کمی اور قصور رکھتا ہے
اور لوگوں کی تعریف و مدح یا دنیاوی نفعوں کی قسموں کو اس عمل
اور نیت کے ساتھ ملا دیتا ہے۔ تیسری کیفیت عمل کرنے کی ہے
اسکی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص ایسا ہے کہ اپنے عمل کو اُس کے
تمام حقوں اور سنتوں اور ادبوں کیساتھ ادا کرتا ہے اور دوسرا
شخص بھی عمل کرتا ہے مگر وہ بعضے سنتوں کو اور آداب کو چھوڑ
دیتا اور فوت کر دیتا ہے اگرچہ عمل کو باطل نہیں کرتا یا یوں
سمجھئے کہ ایک شخص ایسا ہے کہ اسکا عمل صاف و پاک ہے کبیرہ
گناہوں کی آمیزش و آلودگی سے اور گناہِ صغیرہ کرنے کے
اصرار سے اور دوسرا شخص ایسا ہے کہ باوجود تابعداری اور عبادت
کرنے کی صفت رکھتے ہوئے بھی گناہِ کبیرہ کر بیٹھتا ہے اور گناہ
صغیرہ کے اصرار و ہمیشگی سے نہیں بچتا بلکہ کر لیتا ہے اور اسی
قیاس و اندازہ پر ہے فرق دل کے حاضر ہونے کا اور عدم
حضور قلب کا اور قرآن مجید کی تلاوت اور ذکر کا طہارت و
پاکیزگی سے اور عدم طہارت کا۔ چوتھی عمل کی کمیت ہے اسکی مثال
یہ ہے کہ ایک آدمی (تو فرضوں کے بجالانے میں دوسرے کے برابر ہے
اور ایک آدمی دوسرے سے نفل ادا کرنے میں زیادہ ہوئے
اور اس طرح بھی سمجھئے کہ دو آدمی ایسے ہوں کہ شروع میں تو
عمل کرنے میں برابر ہوں پھر اُن میں سے پہلے ایک مر گیا اور دوسرا
اُسکے بعد زندہ رہے اور فرائض اور نفلیں بہت سی ادا
کرتا رہتا ہے چنانچہ صحیح حدیث میں ان دونوں شخصوں کی
مثال روایت کیگئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا فاین صلوتہ بعد صلوتہ وصیامہ بعد صیامہ

[illegible]

وی کہ بعد از وی داشت بحقیق تفاوت درجہ کہ میان این دو مرد است در جنت و در قرب الٰہی تعالیٰ دور تر و بیشتر است از تفاوت مسافتیکہ میان آسمان و زمین
است روایت کرد این حدیث را ابوداؤد ونسائی ۱۲۔

ازکیکہ بعد از قوت اسلام و استغناء آن
بعمل آرد والاصل فیه قوله تعالیٰ
لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ
الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ
دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ
بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وقوله علیه السّلام
فی حقّ الصّحابة لَوْ اَنْفَقَ اَحَدُکُمْ
مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ
وَلَا نَصِیْفَهٗ وہمچنین انفاق یکدرہم
لوجہ اللہ در وقتِ فقر و احتیاج و صحت
بہتر است از انفاق اضعاف مضاعفہ
آن در غنا و ثروت یا وصیت بآن عند
الموت وہمچنیں اداۓ فرائض در حال
خوف و مرض و سفر و شقت و قلت فرصت
و وفور موانع بہتر است از غیر آن وہمچنین
در قرب موت و آخر عمر شغل عبادت بہتر
است از شغل در اول عمر وعمرة فی رمضان
تعدل حجة ومن تقرب فیه بخصلة
من الخیر کان کمن ادّی فریضة
فیما سواه ومن ادّی فریضة فیه
کان کمن ادّی سبعین فریضة
فیما سواه وافضل الصیام بعد شهر
رمضان شهر المحرم واحادیث صریحہ
آمده اند واجماع است بآن کہ جمیع طاعات
در اشہر حرم مضاعف مے شوند

پانچویں عمل کرنے کا زمانہ ہے تو جو شخص کہ صدر (شروع) اسلام
میں یا کہ قحط کے زمانہ میں یا مسلمانوں پر کسی حادثہ اور مصیبت
پڑ جانے کے وقت میں کوئی عمل کرے یا کوئی طاعت ادا کرے
یا جہاد کرے یا صدقہ دے یا کھانا کھلاۓ تو یہ بہتر ہے اُس
شخص سے جو کہ اسلام میں قوت آنے کے بعد اور اسکی حاجت
نہ ہونیکے وقت عمل میں لاۓ اُمور مذکورہ کو اور حقیقت اسکی
اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ
مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ
اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا اور اس حدیث میں ہے جو فرمایا ہے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کرام کے حق میں
لَوْ اَنْفَقَ اَحَدُکُمْ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا
نَصِیْفَهٗ یعنی اگر تم میں سے کوئی شخص خرچ کرے زر و مال
اُحد پہاڑ کے برابر تو بھی نہ پہنچے گا صحابہ سے کسی کے ایک مُد
کے برابر کو اور نہ مُد کے آدھے برابر کو اور اسی طرح یکدرم کا
خرچ اللہ تعالیٰ کیلئے فقیری اور اپنی فرقت و حاجت کیوقت
میں اور صحت میں اپنی بہت اچھا ہے اُس سے دوچند
خرچ کرنے سے حالت مالداری اور غنی ہونے میں اور یا کہ
موت کے وقت میں اسکی وصیت کرنے سے اور اسی طرح فرضوں
کا ادا کرنا خوف و ڈر کے حال میں اور مرض و بیماری اور سفر اور
شقت اور کم فرصتی کی حالت میں اور بہت سی رکاوٹوں
اور موانع کی حالت میں بہت بہتر ہے اُس سے جب یہ مذکورہ باتیں
حاصل نہ ہوویں اور اسی طرح موت کا وقت قریب ہونیکے
وقت میں اور عمر کے اخیر اور بڑھاپے میں عبادت کرنا بہت
عمدہ اچھا ہے پہلی عمر اور جوانی کے شغل عبادت سے اور عمرہ ادا
کرنا رمضان میں حج کے برابر ہے اور جو کوئی کچھ بھلائی کا کام

ششم مکان عمل مثل نمازی کہ در مسجد الحرام
یا در مسجد مدینہ ادا کردہ شود بہتر است از
ہزار نماز در جائی دیگر و روزہ در دار الحرب
و محل جہاد بہتر است از غیر آن ہفتم
اضافت با مور خارجیہ مثل فاعل یا
مشارکت یا مصرف پس یک رکعت از
نبی یا ہمراہ نبی بہتر است از غیر آن ہمچنین
صیام و صدقہ و جہاد از پیغمبر یا ہمراہ
پیغمبر واقع شود ہزاران درجہ بہتر از
غیر آن ست ولہذا اصحابہ با جمیعہم اعمال
خود را کہ بعد از رحلت پیغمبر کردہ بودند
ہرگز موازی اعمال خود کہ ہمراہ پیغمبر کردہ
بودند نمی دانستند و در حدیث صحیح است
و عمرۃ فی رمضان تعدل حجۃ
معی و در قرآن جا بجا اشارہ باین مضمون
است قولہ تعالیٰ لٰکِنِ الرَّسُوْلُ
وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ جَاھَدُوْا
بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ و ازہمیں جا
باطل شد قول ابو القاسم جبائی حیث
قال جائز ان طال عمر امرئ ان یعمل
ما یوازی عمل النبی و نیز ظاہر شد کہ انس
ابن مالک ابو امامہ باہلی و عبد اللہ بن بسیر
و عبد اللہ بن الحارث بن جزء و سہل بن
سعد ساعدی و جابر بن عبد اللہ انصاری
کہ عمر طویل یافتند اعمال بسیار کردند ہرگز

رمضان میں کریگا تو اس کو ثواب اور دنوں کے فرض کے
برابر ملیگا اور جو کوئی رمضان میں ایک فرض ادا کرے گا
اسکو ثواب اور دنوں میں ستّر فرضوں کے برابر ملیگا، اور
رمضان شریف کے روزہ کے سوا اور تمام روزوں میں بہتر
اور افضل روزہ ماہ محرم کا ہے اور صحیح حدیثوں میں آیا ہے
اور اس پر اجماع بھی ہے کہ کل عبادتیں بزرگی کے مہینوں
(ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرّم، رجب) میں جو کیجاتیں اُن کا
ثواب دو چند ہو جاتا ہے۔ چھٹے جگہ عمل کرنے کی وجہ فضیلت
کی ہوتی ہے جیسے وہ نماز جو بیت اللہ شریف یا مدینہ منورہ
کی مسجد نبوی میں پڑھی جائے تو یہ نماز افضل و بہتر ہے
اور جگہ کی ہزار نمازوں سے اور دار الحرب میں اور جہاد کی جگہ
میں روزہ رکھنا بہت بہتر ہے اسکے سوا اور جگہ کے روزہ کے۔
ساتویں وجہ فضیلت کی امور خارجیہ کی طرف نسبت پانے
سے ہوتی ہے جیسے کہ عمل کرنیوالا ہے یا اُس کا شریک اِس
عمل میں یا مصرف اس عمل کا ہے تو اس سے سمجھ لیجیے کہ ایک
رکعت بھی کی یا ایک رکعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ پڑھنے
والے کی بہت افضل و اعلیٰ ہے ان کے ماسوا کی رکعت سے
اور اسی طرح ہے وہ روزہ اور صدقہ اور جہاد جو کہ پیغمبر سے
واقع ہو یا پیغمبر علیہ السلام کی معیت اور ہمراہی میں ہو اور
لوگوں کے روزہ و صدقہ و جہاد سے ہزاروں درجہ بہتر و
افضل ہے اور اسی سبب سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب
کرام تمام اپنے اُن عملوں کو جو پیغمبر خدا کی وفات کے بعد کیئے
تھے ہرگز بھی اُن عملوں کے برابر نہیں سمجھتے تھے جو عمل جناب
پیغمبر خدا کی ہمراہی میں کیئے گئے تھے اور صحیح حدیث میں ہے
اور ایک عمرہ ادا کرنا رمضان میں میری ہمراہی و معیت میں

افضل نمی تواند شد بر خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم
و ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ و زید بن حارث رضی اللہ عنہ
و جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ و مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ
و سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم و عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ،
حالانکہ بعضے از اولین تا ہشتاد سال
بلکہ نود سال بعد از آخرین زندہ ماندند
و طاعات نیز بسیار بجا آوردند و ہمیں
بسبب قطع می کنم باین کہ ہر کہ از صحابہ رضی اللہ عنہم
در وقت موت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
افضل بود از دیگری آن مفضول ہرگز
بدرجۂ او لاحق نمی تواند شد بسبب
اعمالیکہ بعد از موت آن حضرت صلی
اللہ علیہ وسلم بجا آورد۔

کے برابر ہے اور جگہ جگہ قرآن کریم میں اس مضمون کیطرف
اشارے آئے ہیں جیسے کہ یہ فرمان الٰہی ہے لٰکِنِ الرَّسُوْلُ وَ
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ جَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ
یعنی مگر رسول اور وہ لوگ جو رسول خدا کے ساتھ ہی ایمان
لائے ہیں انہوں نے جہاد کیا اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ
اور اس بیان سے ابو القاسم جُبائی کا وہ قول باطل ہو گیا جو
اُس نے کہا ہے کہ یہ امر جائز ہے کہ اگر کوئی شخص مدت دراز
تک نہ مرے تو اس کا عمل نبی علیہ السلام کے عمل کے برابر ہو جائیگا
اور اس بیان سے یہ بھی ظاہر ہو گیا ہے کہ انس بن مالک اور
ابو امامہ باہلی اور عبد اللہ بن بُسر اور عبد اللہ بن حارث بن جزء
اور سہل بن سعد ساعدی اور جابر بن عبد اللہ انصاری نے کہ
بڑی بڑی عمریں پائیں ہیں اور نیک اعمال بہت کئے ہیں تو
بھی خلفائے اربعہ (ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی،
علی مرتضیٰ) سے ہرگز افضل نہیں ہو سکتے ہیں اور ابو عبیدہ بن الجراح اور زید بن حارثہ و جعفر بن ابی طالب
و مصعب بن عمیر اور سعد بن معاذ اور عثمان بن مظعون حالانکہ یہ اصحاب اولین سابقین میں سے ہیں اور
اسی بلکہ نوے سال تک دوسروں سے بعد زندہ رہے ہیں اور بہت سی عبادتیں بجا لاتے رہے ہیں اسی وجہ و سبب پر کلام کو قطع کرتا ہوں
حال یہ ہے کہ باوجودیکہ جو کوئی بھی اصحاب رسول خدا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت
افضل تھا دوسرے سے تو وہ دوسرا یعنی مفضول اُس افضل کے درجہ کو نہیں پہونچ اور مل سکتا اُن عملوں
کے ذریعہ سے جو اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کئے ہیں۔

مقدمہ سوم نتیجہ فضل خواہ فضل
اختصاصی بود بغیر عمل خواہ فضل جزئی
بود بمقابلہ عمل دو چیز است اول آنکہ
حق تعالیٰ تعظیم فاضل را واجب کند بر
مفضول در دنیا و دین لہٰذا شریک اند
جمیع افاضل خواہ مثل کعبہ و مسجد و روز جمعہ

تیسرا مقدمہ فضیلت کا نتیجہ (چاہے فضیلت
اختصاصی ہو بغیر کسی عمل کے خواہ فضیلت جزئی ہو یعنی کسی
عمل کے بدلہ میں) دو چیز ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فاضل
کی تعظیم و تکریم کو مفضول پر واجب فرماتے ہیں دنیا میں،
اور اس بات میں تمام فاضل شریک ہیں خواہ وہ مثل کعبے
ہوں خواہ مسجد اور روز جمعہ اور ماہ رمضان اور ناقہ (اونٹنی)

و شہر رمضان و ناقہ صالح وغیرہا من
الجمادات و الحیوانات و الاعراض باشند
خواہ مثل انبیاء و ملائکہ و صحابہ و
ازواج مطہرات و اولاد پیغمبر صلی اللہ
علیہ وسلم دوم آنکہ برائے فاضل درجہ
از قرب و منزلت و مساکن جنت مقرر شود
اعلیٰ و ارفع از درجہ مفضول و ذلک
لتحقیق معنے الفضل و الا لم
یظہر الفضل و کان الفضل مجرد
اللفظ لا معنے لہ و دریں امر خصوصیتی
است کہ غیر از عاملین را میسر نیست و
لہذا در غیر فضل جزئی بالاصالۃ
متحقق نمی شود و دریں جا نیز باید دانست
کہ دخول جنت و علو مرتبہ دراں گاہے
مبنی بر فضل اختصاصی می باشد
بدون سابقہ عمل چنانچہ اطفال مومنین
را علی الخصوص اطفال انبیاء را۔

صالح کے اور دیگر جمادات اور حیوانات اور اعراض سے
ہوں، خواہ مثل نبیوں اور فرشتوں اور اصحاب کرام
اور ازواج مطہرات اور پیغمبر علیہ السلام کے اولاد کے
ہوں۔ دوسری چیز یہ ہے کہ فاضل (یعنی صاحب فضیلت)
کے لئے ایک درجہ قرب و معیت اور منزلت اور جنت
میں رہنے کے مقام و مساکن (رہنے کی جگہ) مقرر ہو جائے جو
اعلیٰ و ارفع ہو مفضول کے درجہ سے اور جو یہ بیان کیا
گیا ہے یہ اسواسطے ہے کہ فضیلت کے معنی ثابت اور قایم ہو جائیں
ورنہ فضل و فضیلت ہرگز ظاہر نہ ہوگا تو پھر اس صورت میں
لفظ فضل و فضیلت ایک بے جان لفظ بن جائیگا جس کے
کچھ بھی معنی نہوں گے۔ اور اس میں ایک ایسی خصوصیت ہے
جو عمل کرنے والوں کے سوا اور کسی کو ہرگز میسر نہیں ہوتی
اور اسی واسطے فضیلت جزئی کے سوا اور میں اصلی طور سے
ثابت ہی نہیں ہوتی ہے اور یہاں پر یہ بھی سمجھ لینا چاہئے
کہ جنت میں داخل ہونا اور بلند مرتبہ پانا اوسمیں کبھی اختصاصی
فضل و فضیلت پر بھی مبنی ہوتا ہے بغیر نیک عمل کرنے کے
چنانچہ مؤمنوں کے بچوں کو بہشت میں جگہ ملتی ہے اور
خاص کر انبیاء (علیہم السلام) کے بچوں کو۔

مقدمہ چہارم

کل من امرنا بتعظیمہ فہو ذو فضیلۃ دریں
مقدمہ خدشہ کہ بخاطر میرسد این است
کہ ابوین کافرین را تعظیم و احسان
و تذلل واجب است لقولہ تعالیٰ
وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ
مِنَ الرَّحْمَةِ حالانکہ ہیچ فضیلت

چوتھا مقدمہ

ہر وہ چیز کہ جس کی تعظیم و تکریم کا ہم کو
حکم دیا گیا ہے تو وہ فضیلت والی ہے۔ اور اس مقدمہ
میں ایک قسم کا خدشہ اور شبہ جو دل میں پیدا ہوگا وہ
یہ ہے کہ کافر ماں باپ کی تعظیم و تکریم کرنا اور اُن کے ساتھ
بھلائی کرنا اور اُن کے سامنے عاجز اور تابع رہنا واجب ہے
اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی رُو سے یعنی جھکا دے اے انسان
تو اپنے ماں باپ کے سامنے تواضع سے اپنے بازو کو مہربانی

ندارند جوابش آنکه تعظیم ایشاں در
عرف شرع تعظیم نیست بلکہ نوعیت
از برّ واحسان وبرّ واحسان را تعظیم
نتوان گفت ومجرّد تذلل بر تعظیم نیست
لِاَنَّ الْاِنْسَانَ قَدْ یَتَذَلَّلُ لِمَنْ یَخَافُ
ضَرَرَہٗ وچہ قسم تعظیم ابوین کافرین در
شرع مامور نباشند حالانکہ برارت
ازاینہا واجب است قال اللہ تعالیٰ
لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ
الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَ
رَسُوْلَہٗ وَلَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَھُمْ الآیۃ
وقولہ تعالیٰ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ
اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ کَفَرْنَا بِکُمْ وَبَدَا
بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃُ وَالْبَغْضَآءُ
اَبَدًا حَتّٰی تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَحْدَہٗ،
بلکہ تعظیم شرعی آنست کہ مبنی باشد
بر محبت للہ وفی اللہ وولایت ودوستی
از تہ دل واین معنی در غیر اہل فضل
ہرگز در شرع وارد نشدہ کما
یدل علیہ المتصفح۔

کے ساتھ اور حال یہ ہے کہ کافر کچھ فضیلت نہیں رکھتا ہے
اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اُن کی تعظیم شریعت کے عرف
میں تعظیم ہی نہیں ہے بلکہ وہ احسان اور بھلائی کی ایک قسم ہے
اور بھلائی اور احسان کو تعظیم نہ کہنا چاہیے اور محض اُن کے
سامنے خاکساری کرنا تعظیم نہیں ہے اس لئے کہ انسان کبھی
تواضع اُس شخص کی کرتا ہے جس کے ضرر سے ڈرتا ہے، پھر کافر
ماں باپ کی تعظیم وتکریم کیونکر شریعت میں مامور ہو حالانکہ
برارت وبیزار ہونا اُن سے واجب ہے جیسا کہ اس فرمان خداوندی
میں ہے (اے محمدؐ) نہ پائیگے آپ ایسی کسی قوم کو جو اللہ تعالیٰ پر
اور قیامت کے دن پر ایمان لاچکی ہے کہ وہ دوستی اور محبت
کریں اُن لوگوں سے جو کہ اللہ تعالیٰ اور اُسکے رسول کیساتھ
خلاف کرتے ہوں اگرچہ وہ مخالف جماعت ان مومنوں کے
باپ ہوں یا اُنکے بیٹے پوتے ہوں یا اُن کے بھائی ہوں یا اُن کے
خویش وقرابتدار ہوں اور یہ فرمان الٰہی (یاد کیجیے اے محمدؐ)
کہ جب ایمان والوں نے کہا اپنی قوم سے کہ ہم بیزار اور الگ
ہیں تم سے اور اُن چیزوں سے جن کو تم پوجتے ہو اللہ کو چھوڑ کر
یا اللہ تعالیٰ کے سوا انکار کیا اور منکر ہوگئے ہم تم سے اور ہمارے
تمہارے درمیان بغض وعداوت پیدا ہوگئی ہمیشہ کے لئے
جبتک تم ایک اللہ تعالیٰ کو ہی فقط مان چکے گے بلکہ شریعت
مطہرہ کی رو سے تعظیم یہ ہے کہ وہ مبنی ہو محبت پر فقط اللہ کیواسطے
اور اللہ کی راہ میں ہو اور دوستی اور ولایت تہ دل سے ہو
اور ایسی دوستی اہل فضل وفضیلت کے سوا اور کسی میں ہرگز شریعت میں نہیں آئی ہے جیسا کہ اس پر اچھی
طرح غور اور تلاش کرنا دلالت کرتا ہے۔

مقدمۂ پنجم بہ یقین معلوم است
کہ بعد از تعظیم حضرت جل وعلا در شرع

پانچواں مقدمہ یقین کلی سے اچھی طرح معلوم ہو گیا
ہے کہ حضرت حق تعالیٰ کی تعظیم کے بعد شریعت میں انبیاء

تعظیم انبیا آنقدر مستحق و واجب است کہ دیگرے را نیست و ہیچکس مستحق آنقدر تعظیم نیست غیر از انبیا و بعد از انبیاء ازواج مطہرات آنجناب را آنقدر استحقاق تعظیم بنص قرآنی ثابت است کہ ہرگز برائے دیگراں نیست قال اللہ تعالیٰ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُھُمْ ونیز در حق ازواج مطہرات فضیلت صحبت آن سرور صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ بر صحابہ دیگر متحقق است زیرا کہ صحبت ایشان اعلیٰ است از صحبت غیر ایشان و با فضیلت صحبت امومیت دینی نیز متحقق است۔

مقدمہ ششم ہرگاہ سخن در فضیلت جاری شود مطلق نباید پرسید زیرا کہ مفاضلہ متحقق نمی تواند شد اِلّا دران دو چیز کہ تفضیل آنہا از یک وجہ بودہ باشد و یا ہم دران وجہ زیادہ و کم بودہ باشد و اگر فضل آنہا از دو جہت باشد پس مفاضلہ درانہا واقع نمی شود زیرا کہ ہرگاہ بگویم اَیُّ ھٰذَیْنِ اَفْضَلُ پس گویا چنین گفتہ باشم اَیُّ ھٰذَیْنِ اٰکَثَرُ اَوْ اَتَمُّ فَمَا اشْتَرَکَا فِیْہِ پس ملتواں گفت

علیہم السلام کی تعظیم اتنی مستحق اور واجب ہے جو کسی دوسرے کے لئے نہیں ہے اور کوئی ہرگز بھی اتنی تعظیم کا مستحق نہیں ہے سوائے انبیا کے اور انبیا علیہم السلام کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کیلئے اسقدر حق تعظیم کرنے کا حکم نص قرآنی سے ثابت ہے جو کہ اور کسی کے واسطے ہرگز نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں پیغمبر زیادہ لائق تر ہے مومنوں کے کاموں میں تصرف کرنیکا مومنوں کی خود ذات سے اور پیغمبر کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔ اور ازواج مطہرات کے حق میں یہ بھی ہے کہ رسول مقبول سردار عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی فضیلت اُن میں دیگر اصحاب کرام سے زیادہ تر ثابت ہے۔ اس لئے کہ ان بیویوں کی صحبت اوروں کی صحبت سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ اور دینی ماں ہونے کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے۔

چھٹا مقدمہ (یہ بات بھی یاد رکھئے) کہ جب کبھی فضیلت میں کلام کیا جائے تو اس بات کا خیال ضرور ہو کہ فقط فضیلت ہی کو بلا کسی قید کے نہ پوچھا کریں اس لئے کہ آپس میں باہمی ایکدوسرے کی فضیلت ثابت نہیں ہو سکتی سو اُن دو چیزوں کے جن میں فضیلت ایک ہی وجہ اور سبب سے ہو اور یا اس طرح کہ اسی وجہ میں کوئی کم یا زیادہ ہو۔ اور اگر فضیلت اُن دونوں کی دو سببوں سے ہوگی۔ تو اُن میں سے کسی کو دوسرے سے فاضل کہنا واقع نہ ہوگا۔ اس لئے کہ جب یوں کہا جائے کہ ان دونوں میں سے کون سا افضل ہے تو گویا کہ اس کا معنی یہ ہوگا کہ کون سا شخص ان دونوں میں سے اُن صفتوں میں افضل ہے

که رمضان بهتر است یا ناقهٔ صالح
و کعبه بهتر است یا نماز و میتوان گفت
که مکه بهتر است یا مدینه و رمضان
بهتر است یا ذوالحجه و نماز بهتر است
یا زکوٰة و ناقهٔ صالح بهتر است یا عصائے
پیغمبر پس ازین جا معلوم شد که
تفضیل حضرت ابراهیم ابن رسول الله
صلی الله علیه وسلم مثلاً بر حضرت ابوبکر
صدیق رضی الله عنه معنی ندارد زیراکه
فضل ابراهیم مبنی بر عمل نیست بلکه اختصاص
مجرد است۔

جن میں یہ دونوں شریک و شامل ہیں تو اس لحاظ سے
ہم نہیں کہہ سکتے ہیں کہ رمضان شریف بہتر و افضل ہے
حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی سے۔ اور کعبہ بہتر ہے
یا نماز۔ اور یہ کہہ سکتے ہیں کہ مکہ شریف بہتر ہے یا مدینہ
منورہ اور رمضان بہتر ہے یا ذی الحجہ اور نماز بہتر ہے
یا زکوٰۃ اور اونٹنی صالح کی بہتر ہے یا عصائے آنحضرت صلعم
تو اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ فضیلت دینا جناب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ارجمند حضرت ابراہیم کو حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر کچھ معنی نہیں رکھتا اس لئے
کہ فضیلت ابراہیم کی عمل پر مبنی نہیں ہے بلکہ وہ اختصاص
محض ہے اور حضرت ابوبکر کی فضیلت جزئی ہے جو کہ
عمل کے بدلہ میں ہے (مترجم غفرلہ)

مقدمہ ہفتم علو درجۂ بہشت
گاہے بطریق تبعیت مے باشد مثلاً
اعلیٰ درجہ اولاد صغار آنحضرت صلی اللہ
علیہ و آلہ وصحبہ وسلم بہ تبعیت آنحضرت
صلی اللہ علیہ و آلہ وصحبہ وسلم و این اعلیٰ
درجہ دلالت بر افضلیت تفضیل جزئی
نمی کند والا ازواج آنحضرت صلی اللہ
علیہ و آلہ وصحبہ وسلم کہ بہ تبعیت آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم در درجۂ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
خواہند بود افضل باشند از جمیع انبیاء و
کبراء صحابہ و ہو خلاف الاجماع و گاہے
بطریق اصالت می باشد در مقابلہ
عمل این شخص و این دلالت می کند

ساتواں مقدمہ۔ بہشت کے درجہ کا بڑا ہونا اور
ملنا کبھی تو کسی کی اتباع اور معیت کے سبب سے ہوتا ہے جیسے
کہ اعلیٰ درجہ جنت کا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی
چھوٹی اولاد کیلئے ہونا بسبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی تبعیت (ساتھ ہونے) کے ہے۔ اور یہ اعلیٰ درجہ ہونا تفضیل
جزئی کی فضیلت پر دلالت نہیں کرتا ورنہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کی تمام بیویاں جو کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی اتباع و معیت کے سبب آپکے درجہ ہی میں جنت میں
رہیں گی تو وہ افضل ٹھہریں گی تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ
کبار رضی سے اور حال یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ
اجماع امت کے خلاف ہے اور بہشت کے درجہ کی فضیلت
اور بزرگی کبھی بطور اصالت کے ہوتی ہے جو آدمی کو عمل
کے مقابلہ میں حاصل ہوتی ہے اور یہ فضیلت جزئی تفضیل کی

برافضلیت تفضیل جزئی وعلی ہذا القیاس
تقدم در دخول جنت و ورود حوض و
شفاعت وموقف وحساب بردو قسم است
یک قسم ازان دلالت برافضلیت تفضیل
جزئی وارد دیگر قسم مثل تقدم امت مصطفویہ
درین امور بر انبیاء دیگر قال اللہ تعالیٰ

افضلیت پر دلالت کرتی ہے اور اسی اندازے اور قیاس
پر ہے جنت میں پہلے جانا اور حوض کوثر پر وارد ہونا اور شفاعت
کرنا اور موقف اور حساب دو قسموں پر تقسیم ہوتا ہے ایک قسم
اس سے وہ ہے جو جزئی تفضیل کی افضلیت پر دلالت
کرتی ہے اور ایک قسم جزئی تفضیل کی افضلیت پر دلالت
نہیں کرتی جیسے کہ پہلے ہونا اور جانا (فضیلت دینا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کی امت کا ان امور میں اور انبیاء سے (یعنی اور انبیا کی امت سے یا خود نبیوں ہی سے مترجم)
فرمایا اللہ تعالیٰ نے ...... بے

اس جگہ اصل نسخہ میں بیاض ہے مقدمہ ہشتم کی جگہ اس وجہ سے ترجمہ اس مقدمہ کا نہیں ہو سکا

مقدمہ نہم سیادت غیر فضل است
زیرا کہ سیادت دلالت بر شرف این
شخص سیکند بوجہ من الوجوہ اصلاً
کان او تبعاً پس اولاد آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم بسبب شرفے کہ دارند سادات اند
نسبت بامت وفضل موقوف بر جزاء عمل
است ہمچنیں امارت موقوف بر فضل
نیست بدلیل آنکہ عمر بن الخطاب مامور بود
باطاعت عمرو بن العاص در حالت امارت
او وعمرو بن العاص را بروی فضل نہ بود
بالاجماع وازیں جا معلوم شد کہ وجوب
طاعت شخصے بر شخصے من حیث الشرع
نیز دلالت بر فضل مطاع بر مطیع نمی کند
کالمرأۃ والرقیق والرعیۃ والولد
مامورون باطاعۃ الزوج والسید
والسلطان والابوین ولا یدل ذلک
علی فضل المطاع منہم علی المطیع

نواں مقدمہ سید اور سردار ہونا کچھ فضل (بزرگی)
وفضیلت نہیں ہے کیونکہ سید و سردار ہونا دلالت
کرتا ہے اس شخص کی بزرگی پر ایک سبب سے جملہ اسباب کے
خواہ وہ بزرگی اصلی ہو خواہ تبعی ہو۔ پس آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی اولاد جو شرف اور بزرگی رکھتی ہے اس کے سبب سے
سادات ہے بہ نسبت امت کے۔ اور فضل وفضیلت تو عمل
کی جزا پر موقوف ہے اور اسی طرح امارت یعنی امیر یعنی بادشاہ
وحاکم ہونا فضل وفضیلت پر موقوف نہیں ہے اس دلیل سے
کہ حضرت عمر بن خطاب کو حکم دیا گیا تھا حضرت عمرو بن العاص
کی اطاعت وتابعداری کا عمرو بن العاص کی امارت یعنی
سپہ سالاری کی حالت میں اور حال یہ ہے کہ عمرو بن عاص کو
حضرت عمر فاروق پر کچھ بھی فضیلت نہ تھی بالاجماع یعنی
باجماع امت عمرو بن عاص مفضول تھے، اور اس بیان
سے یہ بخوبی معلوم ہو گیا ہے کہ کسی شخص کی اطاعت یا تابعداری
کا واجب ہونا دوسرے شخص پر شرع کی رو سے بھی مطیع یعنی
تابعداری کرنیوالے سے مطاع (جسکی تابعداری کیجاتی ہے)
کی فضیلت پر دلالت نہیں کرتا ہے جیسے عورت اور غلام

اور رعیت اور بیٹا مامور اور حکم دئے گئے ہیں خاوند اور آقا اور بادشاہ اور ماں باپ کی اطاعت کرنے کی اور یہ مامور ہونا ان کا مطاع کی افضلیت وفضیلت پر دلالت نہیں کرتا ہے اُن کے مطیع کی (یعنی تابعداری کرنے والا اگرچہ کسی امر میں کسی کا تابعدار ہے تو بھی وہ جسکی تابعداری کرتا ہے اس سے افضیلت میں کم نہیں ہو جاتا ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام خضر کے تابعدار تھے۔ مگر اس سے آپ کی رسالت کا فضل کم نہیں ہو گیا، بلکہ آپ باوجود تابعداری کے بھی افضل تھے (مترجم غفرلہ)

مقدمۂ دہم وجوہ ہفت گانہ مفاضلہ چون باہم متعارض شوند از روئے آیات واحادیث احق واولے بالاعتبار را تعین باید کرد پس بالقطع از شریعت ثابت است کہ کمیت عمل را در جنب کیفیت آن اعتبار نیست ونیز کمیت وکیفیت را در جنب زمان عمل اعتبار نیست لقولہ تعالیٰ لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ واین قدر خود از روئے احادیث صحیحہ ثابت است کہ عمل صحابہ را در حضور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم وبا پیغمبر ہیچ عمل نمی رسد ونیز بالقطع ثابت است کہ با عمل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم برابر نمی شود پس در عمل کہ با پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم شریک شوند ہیچ با آن برابر نمی شود زیراکہ بمشارکتِ جماعت در عمل آن عمل را ہیأت وحدانیت ہم می رسد مثل کیفیت وحدانیت مزاج کہ در ہر جزو از اجزاء مرکب ممتزج متشابہ میگردد

دسواں مقدمہ واضح ہو کہ فضیلت اور افضل ہونے کی ساتوں وجہیں جبکہ آپس میں متعارض (جھگڑنے والی) ہو جائیں تو اُس وقت آیتوں اور حدیثوں سے اولیٰ اور احق کو متعین اور مقرر کر لینا چاہیئے پس قطعی طور سے شریعت سے ثابت ہے کہ عمل کی کمیت (مقدار وچندگی) کا عمل کی کیفیت کے سامنے کچھ اعتبار نہیں ہے اور کمیت اور کیفیت کا عمل کرنے کے زمانہ کے مقابل بھی کچھ اعتبار نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بموجب، برابر نہیں تم میں سے وہ شخص جس نے خرچ کیا مال کو فتح مکہ سے پہلے اور کافروں کیساتھ لڑا اور جہاد کیا اُس شخص کے جس نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا کیونکہ وہ پہلی جماعت اس پچھلی جماعت سے درجہ میں بہت بزرگ ہے، اور اسقدر تو صحیح حدیثوں سے بھی خود ثابت ہے کہ صحابۂ کرام کے اُس عمل کو جو حضور علیہ السلام کے سامنے کیا ہے یا حضور کے ساتھ کیا ہے کوئی عمل نہیں پہونچتا یعنی جو آپ کے بعد کیا ہے اور یہ بھی قطعی طور پر ثابت ہے کہ کسی کا کوئی عمل بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے برابر نہیں ہو سکتا پس جس عمل میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ معیت وشرکت ہوئی ہے تو کوئی عمل اسکے برابر نہیں ہوتا اسلئے کہ کسی عمل میں جماعت کے شریک ہونیسے اُس عمل کو وحدانیت (ایک ہونے کی ہیئت

لہذا جماعت را مشروع ساختہ اند
وبایں اعتبار صحابہ را فضل جزئی
بر جمیع اُمت ثابت است و در میان
صحابہ سبقت و تقدم را بموجب
لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ
مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اعتبار
باید کرد زیرا کہ ہر قدر تقدم و سبق
بیشتر وقت احتیاج اسلام و تقویت
آن بیشتر چنانچہ در حدیث است
فَقَالَ صَدَقْتَ وَقُلْتُمْ کَذَبْتَ
دلالت بر آن دارد پس بایں اعتبار
کسانیکہ قبل از ہجرت باعمال
اسلام قیام نمودہ اند افضل باشد
از من بعد خود مثل ابوبکرؓ و عمرؓ
و عثمانؓ و علیؓ و حمزہؓ و جعفرؓ
و عثمان بن مظعونؓ و طلحہؓ و زبیرؓ
و مصعب بن عمیرؓ و عبدالرحمن بن
عوفؓ و عبداللہ بن مسعود و سعید
ابن زید و زید بن حارثہ و ابوعبیدہ
ابن الجراح و بلال و سعد بن ابی
وقاص و عمار بن یاسر و ابوسلمۃ
ابن ارشد و عبداللہ بن جحش
وغیرہم من اخرابہم رضی اللہ تعالی
عنہم اجمعین بعد ازان اہل عقبہ
بعد ازان اہل بدر بعد از اہل مشاہد

وصورت حاصل ہوتی ہے جیسے کہ مزاج کی وحدانیت
کی کیفیت جو کہ اجزاء مرکب اور ملے ہوئے کے ہر ایک جزء
میں متشابہ ہو جاتا ہے (اور) اسی لئے جماعت کو جاری
اور مشروع کیا ہے اور اسی اعتبار سے صحابہ کو تمام امت
پر فضل اور فضیلت جزئی ثابت ہے اور صحابہ میں سبقت
اور تقدم کو بموجب اس آیت (برابر نہیں ہے بعض آدمی
تم میں سے جس نے اپنا مال راہ خدا میں خرچ کیا ہے فتح مکہ
سے پہلے اور جہاد کیا ہے کفار سے الخ) کے سمجھ لینا چاہیئے
اس لئے کہ تقدم اور سبق جس قدر پہلے سے ہو یعنی
اسلام کے شروع میں ہو جبکہ اسلام کو ضرورت تھی
قوت کی تو وہ زیادہ تھی۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے۔ فرمایا
حضور علیہ السلام نے کہا ابوبکر صدیقؓ مجھکو آپ نے سچ فرمایا،
اور تم نے کہا مجھکو کہ جھوٹ بولا آپ نے یہ اس پر دلالت کرتا
ہے۔ پس اس لحاظ سے جو لوگ ہجرت فرمانے سے پہلے
اسلام کے عملوں پر قایم رہے تھے وہ افضل ہوں گے ہجرت
سے بعد والوں سے یعنی جو لوگ اُن سے بعد میں اسلام
کے اعمال پر قایم ہوئے یا جو اُن سے بعد ایمان لائے ہیں تو
ان پہلے لوگوں کا درجہ ان پچھلوں سے افضل ہوگا۔)
جیسے ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان ذی النورین، علی
مرتضی و حمزہ و جعفر و عثمان بن مظعون، طلحہ و زبیر و مصعب
ابن عمیر و عبدالرحمن بن عوف و عبداللہ بن مسعود و
سعید بن زید اور زید بن حارثہ اور ابوعبیدہ بن الجراح
اور بلال اور سعد بن ابی وقاص اور عمار بن یاسر اور ابوسلمۃ
ابن ارشد اور عبداللہ بن جحش وغیرہم سابقین کے گروہ
سے ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین ان کے بعد اہل عقبہ ہیں

ہشتم بعد مشہد تا آنکہ نوبت بہ صلح
حدیبیہ رسید زیراکہ انزال سکینہ
وصفائی قلوب وخلوص نیات
حاضران آن واقع منصوص بنص
قرآنی ست قال اللہ تعالیٰ وتقدس
لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ
اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ
فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ
عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ؕ
امابعد ازاں بالقطع ہیچ مشہد
نیست کہ مدار فضل تواند بود زیراکہ
در ہر مشہد جماعۃ از منافقین و ارباب
اغراض فاسدہ دنیوی نیز شریک
بودہ اند قال اللہ تعالیٰ وتقدس
وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ
مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ
مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ
نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ - آمدیم برانکہ فیما
بین این اشخاص کدام یک افضل
است وہمیں است محل نزاع زیراکہ
کلام در خلفاء اربعہ است واینہا
متفق اند در سابقیت وقدم وحضور
مشاہد فاضلہ -

پھر اہل بدر ہیں پھر اہل مشاہد (لڑائیوں میں لڑنے کیلئے
حاضر ہونے والے) ہیں - یعنی ہر ہر معرکہ میں حاضر ہونے
والے یہاں تک کہ صلح حدیبیہ کا وقت آگیا اور صلح ہو گئی
یہ اسواسطے کہ اطمینان قلوب اور تسلی وتسکین قلوب کا
نازل فرمانا اور دلوں کی صفائی کا حاصل ہونا اور نیتوں کا
سچا اور خالص خلوص دار ہونا ان مقاموں اور موقعوں
میں حاضر ہونیوالوں کا منصوص ہے حکم قرآنی سے چنانچہ
اللہ پاک مقدس فرماتے ہیں - بیشک اللہ تعالیٰ خوش
ہوگئے مومنوں سے جو وقت بیعت کی انہوں نے آپ سے
اے محمد درخت کے نیچے اور جانتا تھا اللہ تعالیٰ اس امر کو
جو ان کے دلوں میں تھا اور نازل کیا اللہ تعالیٰ نے ان پر
اطمینان اور سکینہ کو یعنی ان کے دلوں پر اور ثواب دیا
ان کو اور فتح بھی قریب ہے - پس بعد فتح مکہ کے قطعاً کوئی
ایسا معرکہ ومشہد نہیں ہے کہ وہ فضل وفضیلت کا مدار
بن سکے - اسلئے کہ بعد کے معرکوں میں کوئی معرکہ ایسا نہیں
ہوا کہ اسمیں کوئی مخالف شریک نہ ہوا ہو بلکہ ہر معرکہ اور مشہد
میں ایک اچھی خاصی جماعت منافقوں کی اور دنیا کی فاسد و
بیہودہ غرض والے لوگوں کی جماعت بھی شریک رہتی تھی چنانچہ
اللہ تعالیٰ وتقدس فرماتے ہیں - اور بعضے لوگ ان میں سے
جو کہ تمہارے آس پاس ہیں اعراب (گاؤں والے) میں سے
منافق ہیں اور بعضے مدینہ کے لوگ بھی عادی ہو گئے ہیں
نفاق کے یعنی منافق ہیں اے محمد تم ان کو نہیں جانتے
(مگر) ہم ان کو جانتے ہیں (جاننا چاہیے) کہ اب ہم اس مقام
پر پہنچ چکے ہیں کہ یہ بیان کریں کہ صحابہ کرام کے جو لوگ مذکور ہو چکے ہیں اس سے پہلے ان میں
کون صاحب افضل ہیں اور یہی بات محل نزاع ہے اس لئے کہ یہ کلام فقط خلفائے اربعہ (ابوبکر

صدیق و عمر فاروق و عثمان ذی النورین و علی مرتضیٰ) ہیں ہے اور تمام اُمّت میں اُن کے سابق الایمان ہونے پر اور بڑے بڑے مشاہد اور معرکوں میں جانے اور حاضر ہونے پر اتفاق رکھتی ہیں

مقدمۂ یازدہم تعین فضل را دو طریق است، اوّل نص شارع دوم تتبع احوال و اعمال، تفضیلیہ گویند کہ طریق اوّل مسدود است بجہت تعارض نصوص، گویم تعارض نصوص وقتے می اُفتد کہ یک لفظ در حق دو کس صحیح و مشہور شدہ باشد و دلالت بر افضلیت ہر دو کند، و عند التحقیق چنیں نیست بلکہ لفظ افضل و خیر کہ نص در مدعاست در حق ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما صحیح و مشہور ست و لفظ سید و احب در حق علی و فاطمہ و عائشہ رضی اللہ عنہ و عنہا در و دیا فتہ و سابق گذشت کہ سیادت و اُمیت دلالت بر فضل جزئی نمی کند پس در حقیقت تعارض نیست اما طریق دوم کہ تتبع احوال اعمال است **پس** **از انجملہ است جہاد** کہ عمدہ اعمال دینی ست و ذروہ سنام اسلام و بنص قرآنی مدار فضل است قال اللہ تعالیٰ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

گیارہواں مقدمہ (مخفی نہ رہے کہ فضل اور فضیلت کے تعین اور مقرر ہونے کے واسطے دو طریقے ہیں۔ اوّل طریقہ نصّ (حکم) شارع کا ہے، دوسرا طریقہ حالتوں اور عملوں کا تتبع اور تفحص ہے۔ پس تفضیلیہ کہتے ہیں کہ پہلا طریقہ مسدود یعنی بند ہے نصوص میں تعارض ہونے کے سبب سے، ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ نصوص میں تعارض اسوقت ہوتا ہے کہ ایک لفظ دو شخصوں کے واسطے یعنی دو کے حق میں مشہور ہو گیا ہو اور وہ دونوں کی فضیلت پر دلالت کرتا ہو اور حال یہ ہے کہ تحقیق کے وقت معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر یوں نہیں ہے بلکہ لفظ افضل اور لفظ خیر جو کہ مدعیٰ میں نص ہے، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے حق میں ہی صحیح اور مشہور ہے اور لفظ سید اور لفظ احبّ علی اور فاطمہ اور عائشہ رضی اللہ عنہ و عنہما کے حق میں ہی وارد ہوا ہے اور یہ بیان بخوبی پہلے ہی گذر چکا ہے کہ سیادت اور امیت کا لفظ فضل جزئی پر دلالت نہیں کرتا تو حقیقت میں یہاں پر تعارض ہی نہیں ہے اور دوسرا طریقہ جو کہ اعمال اور احوال کے دیکھنے اور معلوم کرنے کا ہے تو انہی امور میں سے ہے ایک امر جہاد کا جو کہ دین کے اعمال میں سے بہت عمدہ عمل ہے اور اسلام کا نہایت بلند کنگرہ و مینار ہے اور یہ قرآن کے نص و حکم سے فضل اور فضیلت کا مدار ہے، فرمایا اللہ تعالیٰ نے برابر نہیں ہیں بیٹھ رہنے والے جہاد کرنے سے موسنوں میں سے وہ جو معذور اور صاحب عذر نہیں ہیں اور

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَفَضَّلَ
اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ
اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً
وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَفَضَّلَ
اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ
اَجْرًا عَظِيْمًا دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَ
مَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً وَكَانَ اللّٰهُ
غَفُوْرًا رَّحِيْمًا - گویند مرتضی رضی
اللہ عنہ در جہاد افضل بود از صدیق
و فاروق رضی اللہ عنہما، گوئیم جہاد
را سہ قسم است اوّل جہاد زبانی کہ بدعوت
اسلام و فہمانیدن شرائع و وعظ
و نصیحت و ترغیب و ترہیب و اقامہ ادلہ
و رفع شبہات مخالفین می باشد،
دوم جہاد سے کہ نزدیک جنگ می شود
بتدبیر دعائے و القا رعب در دل مخالفین
و جمع مردم برائے قتال و استمالت
قلوب مجاہدین و تکثیر سواد موافقین
و تفریق جماعت اعداء و بذل مال
در اعداد آلات جہاد از اسپان و شتران
و سلاح و یراق، سوم جہاد بدست
خود بطعن و ضرب و مصارعت پہلوانان
و منازلت با قران و استعمال سیف
و سنان و بلا شبہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم بدو قسم اوّل از جہاد مشغول بود

جہاد کرنے والے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور
اپنی جانوں سے اور فضل اور فضیلت دی ہے اللہ تعالیٰ نے
مجاہدین کو اُن کے مالوں اور اُن کی جانوں سے بیٹھ رہنے والوں
سے ایک درجہ زیادہ اور ہر ایک کے واسطے اللہ تعالیٰ کا اچھا
وعدہ ہے اور فضل اور زیادہ مرتبہ دیا ہے اللہ تعالیٰ نے جہاد
کرنے والوں کو جہاد سے بیٹھ رہنے والوں سے ایک بڑا اجر
یہ درجے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور بخشش ہے اور
رحمت ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے
لوگ کہتے ہیں علی مرتضیٰ رضہ جہاد کرنے میں افضل تھے ابوبکر
صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے، اسکے جواب میں
ہم کہتے ہیں کہ جہاد کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم جہاد کی اسلام
کی طرف بلانا اور زبان سے دعوت کرنا اسلام کی طرف
اور اسلام اور شریعت کے احکام سمجھانا اور وعظ و نصیحت
کرنا اور اسلام کی ترغیب دینا اور مخالفت اسلام سے ڈرانا
اور دلیلوں کا قائم کرنا اور مخالفین کے شبہات کو اُٹھانا
اور مٹانا ہوتا ہے۔ دوسری قسم جہاد کی وہ جہاد ہے کہ جب
لڑائی کا وقت ہو جائے تو لڑنے سے پہلے ان تدبیروں سے
یعنی دعا کے استعمال سے اور مخالفین کے دلوں میں رعب
ڈالنے سے اور لوگوں کو لڑنے کیواسطے جمع کرنے سے اور
مجاہدین کے دلوں کو لڑنے پر مائل کرنے سے اور اپنے موافق
لوگوں کی جماعت کو بڑھانے اور زیادہ کرنے سے اور دشمن
کی جماعت اور فوج کو پراگندہ و پریشان کرنے سے اور
اپنے مال کو جہاد کے اوزار و ہتھیار و اسباب جمع کرنے اور مہیا
و تیار کرنے میں اور سواری کا سامان گھوڑے اونٹ اور ضروری
آلات و سامان بہم پہنچانے میں خرچ کرنے سے، تیسری قسم جہاد

نزلقسم ثالث و قسم ثالث بالیقین
ادون مراتب جہاد است بدلیل آنکہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مامور بودند
بجہاد قال اللہ تعالیٰ یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ
جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنَافِقِیْنَ
وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ وقال فَقَاتِلْ
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا تُکَلَّفُ اِلَّا نَفْسَکَ
الیٰ غیر ذٰلک من الآیات آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم اختیار نفرمودند
مگر دو قسم اول را پس لابد آن دو قسم
اعلیٰ و افضل باشند از غیر خود و دریں
دو قسم ابوبکر و عمر بر جمیع صحابہ پیش قدم
بودند زیرا کہ بدعوت ابوبکر در اول
اسلام عمدہ صحابہ مسلمان شدہ اند
و او ہمیشہ مشغول بود باین دعوت
و از روزیکہ عمر بن خطاب اسلام آورد
عزت و غلبۂ اسلام افزود و عبادات
اسلام را جہراً و علانیۃً در مکہ رواج داد
و در رای و مشورہ این ہر دو مشیر و زیر
آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بودہ اند
و ہیچ غزوہ و مہمی بے مشورہ ایشان
واقع نشدہ و در جمع مردم و تفریق جمعیت
اعدا ہمیشہ بحضور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
مساعی جمیلہ زیادہ بر دیگران نمودہ اند
تا بجائیکہ کافران از بقائے ایشان

کی یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے مشغول ہونا ہے نیزہ اور تلوار چلانے
میں اور پہلوانوں کو گرانے میں کشتی لڑنے سے اور اپنے
ہمعصروں کو پچھاڑنے سے اور تلوار اور نیزہ کو استعمال کرنے
سے اور اسمیں شک نہیں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
پہلی دو قسموں میں جہاد کی مشغول رہے ہیں اور اس تیسری قسم
کو جہاد کی آپنے اختیار نہیں فرمایا تو یہ تو معلوم ہو گیا کہ یہ
تیسری قسم جہاد کی کم مرتبہ رکھتی ہے پہلے والی دونوں
قسموں سے۔ اس دلیل سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
مامور تھے جہاد کرنے پر جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (آیت)
اے نبی تم جہاد کرو کافروں اور منافقوں کیساتھ اور سختی کرو
اُن پر۔ اور فرمایا ہے کہ لڑو اے محمد اللہ کے رستہ میں نہیں
تکلیف دیجاتی ہے سوائے آپ کی جان کے، ان آیتوں
کے سوا اور بھی ہیں۔ پس ایسے حکموں کے ہوتے ہوئے بھی
آپنے اپنے دست مبارک سے ہتھیار چلانا پسند نہیں فرمایا
ہے اور پہلی دونوں قسموں سے کام لیا ہے تو اس سے واضح
ہو گیا کہ وہ پہلی دونوں قسمیں اعلیٰ و افضل ہیں اس تیسری قسم سے
اور انہیں دونوں قسموں میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت
عمر فاروق تمام صحابہ پر سبقت اور پیش قدمی رکھتے ہیں اسلئے
کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت فرمانے سے
شروع اسلام میں یعنی اسلام کے اول میں عمدہ اور بزرگ تریں
صحابہ اسلام لا کر معزز و مشرف ہوئے ہیں اور ابوبکر صدیق
ہمیشہ اسی دعوت فرمانے میں مشغول رہے ہیں اور پھر جس روز
سے حضرت عمر فاروق اسلام لائے اُسی روز سے اسلام کو
عزت اور غلبہ حاصل ہو گیا اور ہمیشہ عزتِ اسلام ترقی پاتی رہی
اور اسلام کی عبادتیں علانیہ طور پر کھلم کھلا ہونے لگیں اور مکہ معظمہ

خائف و بہلاک ایشان مستبشر می شدند
لہذا ابو سفیان در جنگ احد از حال
ایشان پرسید و چوں معلوم کرد کہ
ایہا زندہ اند ندامت بسیار کشید
و نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اشجع
الناس بود و ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما
در جہاد ہرگز مفارقت آن حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نمی کردند پس جہاد
ایشان افضل شد از جہاد دیگراں
مثل حضرت علی مرتضیٰ و زبیر و حمزہ و
مصعب و طلحہ و ابو قتادہ و سعد بن
معاذ و سماک بن خرشہ رضی اللہ
عنہم و نیز اکثر سرایائے آنحضرت
صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بسرداری حضرت
ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سرانجام
شدہ و حضرت عمر بن الخطاب رضی
اللہ عنہ در قسم ثالث نیز مشارکت کردہ
کما تدل علیہ التواریخ۔

ہیں کھلم کھلا اسلامی عبادتوں کا رواج ہوگیا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہمیشہ انہیں دونوں مشیروں اور وزیروں کے رائے اور مشورہ پر رہے ہیں اور کوئی غزوہ اور مہم بغیر ان دونوں صاحبوں کے مشورہ اور رائے کے نہیں وقوع میں آیا، اور لوگوں کو بلانے اور جمع کرنے میں اور دشمنوں کی جمعیت اور جماعت پراگندہ اور تتر بتر کرنے میں آنحضرت کے سامنے اور موجودگی میں ہمیشہ عمدہ ترین کوششیں کرتے رہے ہیں دیگر صحابہؓ سے بہت زیادہ یہاں تک کہ کفار اشرار ان دونوں کے زندہ اور باقی رہنے سے بہت ڈرتے اور خوفناک رہتے تھے۔ اور ان کے مرنے سے خوشیاں مناتے تھے اور اسی لحاظ سے ابو سفیان نے احد کی لڑائی میں ان دونوں ہی کے حال کو پوچھا تھا کہ یہ دونوں مرگئے یا زندہ ہیں اور جبکہ اسکو یہ معلوم ہوگیا کہ یہ زندہ ہیں تو بہت کچھ ندامت اور پشیمانی اٹھائی۔ اور بھی اس طرح سمجھئے کہ چونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشجع الناس یعنی تمام بہادروں سے زیادہ اور بڑے شجاع اور بہادر تھے۔ (یعنی تاہم ابو سفیان نے سرور عالم کو نہ پوچھا بلکہ ان ہی وزیران باتدبیر کے حال کو دریافت کیا مترجم غفرلہٗ) اور ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما جہاد میں یعنی کسی جہاد میں بھی کبھی ہرگز بھی جدا اور الگ نہیں رہتے تھے (یعنی کوئی غزوہ ایسا نہیں ہوا ہے کہ سرور عالم اس میں تشریف لیگئے ہوں اور یہ دونوں یا ایک ہی ان میں سے ہمراہ آپ کے نہ گئے ہوں بلکہ یہ دونوں ہر جگہ اور ہر کام میں شریک حال ہی رہتے تھے۔ مترجم غفرلہٗ) پس اس وجہ سے ان دونوں کا جہاد افضل ہوگیا دیگر صحابہ کے جہاد سے جیسے کہ علی مرتضیٰ اور زبیر و حمزہ و مصعب و طلحہ و ابو قتادہ و سعد بن معاذ و سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہم ہیں اور یہ بھی سمجھئے کہ اکثر سریے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سرداری و سرکردگی میں انجام پاتے تھے اور حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے تو تیسری قسم میں

جہاد کی بھی شرکت فرمائی ہے۔ جیساکہ اس پر تاریخیں دلالت کرتی ہیں۔

وازانجملہ است علم گویند کہ حضرت
علی کرم اللہ وجہہ در علم افضل بود از
دیگران وقد قال اللہ تعالیٰ قُلْ
هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ
وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ گوییم زیادتی
در علم بدو طریق توان دریافت، اول
کثرت روایات و فتاوی دوم استعمال
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شخصے را
در مقدمہ کہ تعلق تعلیم دارد زیراکہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عامل نمی
فرمودند در ہیچ مقدمہ مگر کسی را کہ
دران باب اکمل باشد از دیگران و
بالقطع معلوم است کہ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
را بر نماز و حج و جہاد امیر ساختہ و عمر
رضی اللہ عنہ را بر صدقات عامل فرمودہ
و نزد محدثین اکثر روایات صدقات
از طرف ابوبکر رسیدہ و مسائل زکوٰۃ را
شرح دادہ و حدیث زکوٰۃ کہ از طرف
مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ مروی شدہ
بدرجہ صحت نرسیدہ و در وی وہمی
واقع شد کہ ہیچ کس از علماء اسلام
بدان عمل نکردہ وھو ان فی خمس و
عشرین من الابل خمس شیاہ

اور منجملہ احوال اعمال سے ایک علم ہے بعض لوگ کہتے
ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ علم میں دیگر اصحاب کرام رسول انام
سے افضل تھے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہدیجئے اے محمد
کیا برابر ہیں وہ لوگ جو جانتے ہیں اور وہ لوگ جو نہیں جانتے
ہیں یعنی برابر نہیں ہیں، ہم اس کا جواب یوں دیتے ہیں
کہ علم کی زیادتی یعنی علم کا زیادہ ہونا دو طرح سے معلوم
کر سکتے ہیں، ایک تو کثرت اور زیادتی سے روایتوں اور
فتووں کے دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو
کسی کام میں عامل بنانے سے ایسے معاملہ و مقدمہ میں
جو تعلیم سے تعلق رکھتا ہو اسلئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کسی کام پر کسی کو اسی وقت عامل بناتے تھے کہ وہ اس کام
میں اوروں سے زیادہ تر کامل ہوتا تھا اور یہ امر قطعی طور
سے معلوم ہو لیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے اور حج کرانے
اور جہاد کرنے پر لوگوں کا امیر بنایا ہے اور حضرت عمر فاروق
کو صدقات و زکوٰۃ حاصل کرنے پر عامل بنایا ہے اور
محدثین کے نزدیک اکثر روایتیں صدقات کی ابوبکر صدیق
رضی اللہ عنہ کیطرف سے پہونچی ہیں اور زکوٰۃ کے مسئلوں
کی شرح انہی نے کی ہے اور زکوٰۃ کی جو حدیث حضرت
علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کیطرف سے روایت کی گئی ہے تو وہ
صحت کے درجے کو نہیں پہنچی اور اسمیں ایک ایسا وہم
پیدا ہو گیا ہے کہ کسی عالم نے بھی علماء اسلام سے اُس پر
عمل نہیں کیا ہے اور وہ یہ روایت ہے کہ پچیس ۲۵ اونٹوں
کی زکوٰۃ پانچ بکریاں ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ ابوبکر

و نیز معلوم است کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہمیشہ مسافر و مصاحب و مشیر و وزیر آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم می بودند و ہر قدر کہ صحبت پیغمبر بیشتر باشد اطلاع بر احکام و فتاوی بیشتر و آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر از علم تام کسی را وزیر و مشیر خود نمی ساخت، **آمدیم بر روایت و فتوی** پس ابوبکر زندہ نماند بعد از آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مگر اندکے۔ و مردم بسبب آنکہ قریب العہد بہ پیغمبر بودند محتاج نشدند بروایات ازو و نیز از مدینہ بیرون نرفت مگر برائے حج و عمرہ تا مردم بلاد دوراز ازو روایت میکردند و با وصف این ہمہ ازوی یکصد و چہل و پنج حدیث مرویست کہ اجلای صحابہ ازو روایت کردہ اند منہم علی بن ابی طالب و عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان رض، و علی مرتضی رض باوجود طول عمر کہ قریب سی ۳۰ سال بعد از پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امتداد یافت و با وصف سیر و دور در بلاد و کثرت احتیاج مردم بر روایت و کثرت تقریبات روایت کہ وقت وقت اختلاف آرائی و تنازع اہوا بود ہمگی روایات او پانصد و ہشتاد و شش

اور عمر رضی اللہ عنہما ہمیشہ (سفر و حضر میں) مسافر و مصاحب اور مشیر (مشورہ دینیوالے) اور وزیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رہتے تھے اور یہ ظاہر ہے کہ جس قدر صحبت پیغمبر کی زیادہ تر ہوگی اُسی قدر احکام اور فتووں کی اطلاع اور خبر زیادہ ہوگی اور یہ بھی ظاہر تر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بغیر پورا پورا علم حاصل ہونے کے کسی کو اپنا وزیر اور مشیر نہیں بناتے تھے۔ واضح ہو کہ اب ہم روایت اور فتوی کے بیان کرنے پر تیار ہو گئے ہیں پس معلوم ہو کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے رحلت فرمانے کے بعد بہت تھوڑی مدت زندہ رہے ہیں، اور لوگ بھی اس سبب سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے قریب تھے اور آنحضرت سے احکام کو سنے ہوئے تھے اس لئے ابوبکر صدیق سے پوچھنے کے محتاج نہوے اور حضرت ابوبکر مدینہ منورہ سے باہر دیگر شہروں اور بستیوں میں بھی تشریف نہیں لے گئے سوائے حج اور عمرہ ادا کرنے کے تاکہ آپ سے باہر کے دور و دراز کے لوگ کچھ روایت کرتے اور پھر بھی باینہمہ آپ سے ایکسو پینتالیس صحیح حدیثیں روایت کی گئی ہیں وہ بھی ایسی ہیں کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ نے آپ سے روایت کی ہیں، اُن میں سے ایک تو علی بن ابی طالب ہیں اور دوم عمر بن الخطاب اور عثمان بن عفان ہیں۔ اور اور علی مرتضی باوجود بڑی عمر کے جو کہ تیس سال کے قریب تھی بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اور باوجودیکہ آپ نے دور دور کے شہروں میں سیر بھی کی ہے اور لوگوں کو روایت کرنے کی ضرورت، اور حاجت بھی بہت تھی اور روایت کی تقریبات کی کثرت اور زیادتی تھی۔ اور وہ وقت راویوں کے

حدیث است پس اگر مدت حیات
ابوبکر یا مدت حیات دیگران و موانع
روایت او را با موانع دیگران قیاس
کنم معلوم می شود کہ نزد ابوبکر اضعاف
علم دیگران بود و بر ہمیں قیاس باید کرد
فتاوی را۔ و ہمچنین است حال عمر
ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ زیرا کہ
مسندات او پانصد و سی و سہ حدیث ۵۳۳
و فتاوی از و زیادہ از حد بلکہ در ہر
مسئلہ فقہی تکلم فرمودہ و تحقیق حق نمودہ
و مسائل عقائد و سلوک و تفسیر را نیز
بیان مستوفی دادہ حتی کہ از مجموع
احکام او و روایات او کتابی مستقل
شافی در ہر سہ علم توان بر آورد چنانچہ
صاحب ازالۃ الخفاء رحمۃ اللہ تعالیٰ
علیہ درین باب سعی وافر فرمودہ و ہمگیں
روایات و فتاوی او در فقہیات
جمع نمودہ رسالۂ مستقل ترتیب دادہ
و در عقائد و سلوک نیز قدر کافی تالیف
نمودہ و معلوم است کہ مدت حیات
علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ بعد از وفات
آن سرور صلی اللہ علیہ وسلم قریب ہفدہ
سال زیادہ از مدت حیات عمر است
رضی اللہ تعالیٰ عنہ و درین مدت دراز
از مسانید علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ بر

اختلاف کا تھا۔ اور اہل اہوا (بدعتیوں) کے تنازع اور
جھگڑوں کا تھا تو بھی علی مرتضیٰ رضہ کی تمام روایتیں پانچ سو
چھیاسی حدیثوں کی ہیں پس اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
کی زندگی کی مدت کو دوسرے صحابہ کی زندگی کے ساتھ قیاس کیا
جائے اور اسی طرح اُنسے روایتوں کے موانع اور رکاوٹ اور
دیگر اصحاب کرام کی رکاوٹ و موانع کا اندازہ کیا جائے تو معلوم
ہو جائیگا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ کا علم اور صحابہ کے علم سے
دو چند کیا بلکہ اس سے بھی زیادہ تھا اور اسی پر قیاس اندازہ
کرلینا چاہیئے ابوبکر صدیق کے فتووں کا۔ اور اسی طرح ہے
حال امیر المومنین عمر فاروق بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا اسلیئے
کہ اُن کی سند سے پانچسو تینتیس ۵۳۳ حدیثیں ہیں اور فتوے
تو اُن کے حد سے زیادہ ہیں بلکہ فقہ کے ہر مسئلہ میں تحقیق کے
طور پر کلام کر کے حق کو روشن فرمایا ہے اور عقائد اور سلوک
اور تفسیر کو بھی خوب ہی پورے طور سے بیان کیا ہے یہانتک
کہ اگر اُن کی روایتوں اور حکموں کو جمع کیا جائے تو ان تینوں
علموں میں کتابیں شافی اور مستقل تیار ہو جائیں چنانچہ
ازالۃ الخفا کے مصنف (حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث
دہلوی) رحمۃ اللہ علیہ نے اس امر میں بہت کوشش کی ہے
اور اُن کی تمام روایتوں اور فتووں کو جو کہ فقہ میں تھے جمع
کیا ہے اور ایک مستقل کتاب میں ترتیب دیکر مرتب کیا ہے اور
عقائد و سلوک میں بھی کافی مقدار میں رسالہ جمع کیئے اور لکھے
ہیں اور یہ بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم
اللہ وجہہ کی زندگی کی مدت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات
کے بعد سے تقریباً سترہ برس زیادہ تھی۔ حضرت عمر فاروق
رضی اللہ عنہ کی مدت حیات سے اور اسقدر لمبی چوڑی عمر کے ہونے

مسانید عمر رضی اللہ عنہ زیادہ نمی شود
الا بقدر چہل و نہ حدیث و اکثر متانت
تقریر و قوت تفہیم و حسن تعلیم عمر رض را
ملاحظہ کنیم ہیچ تفاوتی بر آید زیرا کہ در وقت
علی مرتضی کرم اللہ وجہہ ہیچ مسئلہ
مختلف فیہا منقح نشد و تقریرات وی
قاطع نزاع نگردید بخلاف عمر رضی اللہ عنہ

ہوئے بھی آپ کی سند کی حدیثیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ
کی مسانید سے کل وہ اور انچاس حدیثیں زیادہ ہیں اور اگر خوبی
اور متانت تقریر کو اور سمجھانے کی قوت کو اور حسن و خوبی تعلیم
کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی دیکھا جائے تو صاف
بڑا فرق ظاہر ہوتا ہے اسواسطے کہ حضرت علی مرتضی رضی
اللہ عنہ کے زمانہ میں کوئی مسئلہ مختلف فیہا منقح اور صاف
نہیں ہوا اور آپ کی تقریریں بھی نزاع کو کاٹنے والی اور رفع
کرنے والی نہیں ہوئیں بخلاف عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے (کہ ان کی ہر تقریر قاطع النزاع تھی۔ مترجم غفرلہ)

وازانجملہ است علم قرآن
و اشتغال بقرارت او۔ درینجا خود بالقطع
معلوم است کہ علی مرتضی کرم اللہ وجہہ
را زیادتی در علم قرآن بر ابوبکر رضی اللہ
عنہ و عمر رضی اللہ عنہ نبود بالاتفاق
و تقدیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ابوبکر را بر علی در نماز ہم دلالت میکند
بر آنکہ علی از ابوبکر اقرا نبود و کذا افقہ
و اعلم نبود آرے عثمان را در قرأت
قرآن و جمع مردم بر قرأت واحدہ و نسخ
مصاحف و محافظت لفظ و رسم آن
رجحان بین است لیکن چون جمع
قرآن در صحف اول از شیخین بوقوع
آمدہ و عثمان ازان نقل گرفتہ
ترویج فرمودہ و استمداد از سیر ایشان
نمودہ ایشان را بر عثمان درین امر ہم
فضیلت حاصل است۔

اور منجملہ ان اعمال و احوال کے ایک قرآن شریف کا علم ہے
اور اس کے پڑھنے کا شغل ہے اور اس موقع پر قطعی طور پر
معلوم ہے کہ حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ کو قرآن جاننے
میں حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق پر فوقیت اور زیادتی
بالاتفاق نہ تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ابوبکر صدیق
رضی اللہ عنہ کو نماز میں حضرت علی کے موجود ہوتے ہوئے
آگے کھڑا کرنا بھی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت علی رض
حضرت ابوبکر سے زیادہ اچھا قرآن کو نہیں پڑھتے تھے اور
اسی طرح یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی حضرت ابوبکر کی
زیادہ فقہ اور علم نہیں رکھتے تھے بلکہ ابوبکر صدیق ہی افقہ
و اعلم تھے۔ ہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قرآن شریف
کے پڑھنے میں اور لوگوں کو ایک ہی قرأت پر جمع کردینے
اور قرآن پاک کو کئی نسخوں میں لکھوا کر (شائع کرنے سے)
اس کے لفظوں کی حفاظت کرنے میں اور اسکے رسم خط کی
حفاظت کرنے کرانے میں فوقیت اور ترجیح بہت ہی معلوم
و مشہور ہے لیکن چونکہ قرآن کو پہلے شیخین (ابوبکر صدیق
و عمر فاروق) لکھکر صحیفوں میں جمع کرچکے تھے اور اس کام

کو انجام دے چکے تھے اور حضرت عثمان رضؓ نے اُس سے نقل لے کر دلپنے تمام صوبوں میں) اسکو رواج دیا اور جاری فرمایا۔ اور شیخین کی عادت و سیرت سے استمداد اور بدلی ہے تو اس سبب سے شیخین کو حضرت عثمان پر فضیلت حاصل ہے

وازانجملہ ست تقوی و اتباع شریعت و بالیقین معلوم است کہ ابوبکر ہیچگاہ مخالف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کلمہ نگفتہ چنانچہ در صلح حدیبیہ و اخذ فدا از بدریان معلوم است و ارادہ او گاہے مخالف ارادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ بود و در امتثال اوامر گاہے تہاون نکردہ و از حال علی مرتضیٰ نیز معلوم است کہ در خطبۂ دختر ابوجہل و در تقیید نماز تہجد مورد عتاب گردیدہ و از عمر اگر چند جا مخالف آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کنگاشی و شورہ واقع شدہ محض برائے تشدد فی دین اللہ و حمیت لامر اللہ و غیرت مفرط واقع شدہ و اجرا وحی الٰہی موافق کنگاش و شورہ او نازل گشتہ پس این قسم مخالفت عین اتباع و موافقت است بلکہ بالاتر ازان و لہذا موافقات او در مناقب او معدود میشود۔

اور اسی احوال و اعمال کی قسم سے ہے تقویٰ اور پرہیزگاری اور شریعت کی تابعداری۔ یہ امر بالیقین معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف میں کبھی بھی کوئی کلمہ لب پر نہیں لائے اور یہ بات حدیبیہ کی صلح میں اور بدر کے اُن قیدیوں کے خونبہا لینے میں جو کہ مکہ والوں سے گرفتار ہو کر آئے تھے بخوبی معروف و مشہور ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کوئی ارادہ کبھی بھی جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے ارادہ کے خلاف نہیں ثابت ہوا (ا) حضور علیہ السلام کے اللہ عنہ کا حال اس معاملہ میں خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ ابوجہل کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ کر لیا تھا جس سے حضور علیہ السلام کو سخت تکلیف ہوئی تھی اور آپ سے اپنی ناراضگی ظاہر فرمائی تھی یہانتک فرما دیا تھا کہ ابوجہل کی بیٹی اور فاطمہ جمع ہو گی یعنی فاطمہ کو چھوڑ کر اسکو کر سکتے ہیں مترجم غفرلہ) اور تہجد کی نماز پڑھنے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید سے فرمایا تاہم آپ نے نہ پڑھی جس کے سبب سے حضور علیہ السلام نے خفگی سے عتاب فرمایا (اور ان دو باتوں کے علاوہ اور بھی چند امور میں حضرت علی مرتضیٰ نے خلاف کیا ہے مثلاً حدیبیہ کے صلحنامہ میں علی رضی اللہ عنہ نے "محمد رسول اللہ" لکھا تھا۔ اسپر کفار کی طرف سے انکار ہوا حضور علیہ السلام نے بعد اصرار کے حضرت علی کو فرمایا کہ لفظ محمد رسول اللہ کو مٹا دو یعنی محو کر کے اسکی جگہ محمد بن عبد اللہ لکھو، اس پر حضرت علی نے انکار کیا کہ ہم اس کو ہرگز نہیں محو کریں گے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمیں

کچھ حرج نہیں ہے میں محمد رسول اللہ بھی ہوں اور محمد ابن عبد اللہ بھی ہوں اسپر بھی علی مرتضیٰ نے کچھ عمل نکیا لپنے انکار پراڑے رہے بالآخر رسولِ خدا صلعم نے خود اس کے مٹانے کی تکلیف برداشت فرمائی (صحیح بخاری باب الصلح اور سیرت حلبیہ جلد دوم - از مترجم غفر لہ) اور حضرت عمر فاروق سے بھی اگرچہ چند ایک موقعوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف میں مشورہ کے طور پر کچھ کلام واقع ہوا ہے تو وہ فقط اُسی سختی کے سبب سے واقع ہوا ہے جو دین الٰہی کے واسطے آپ میں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما رکھی تھی - پس آپ کی وہ سختی اور خلاف گوئی محض اللہ تعالیٰ کے حکم کی حمایت اور حمیت اور بڑی ہی غیرتِ دینی کی وجہ سے واقع ہوئی تھی جو کہ مطابق و موافق بھی رضائے خداوند تعالیٰ کے اور وحی خداوندی کا اجرا اور جاری ہونا حضرت عمر فاروق کے مشورہ کے موافق ہی نازل ہو جاتا تھا تو اس قسم کی مخالفت تو عین موافقت اور تابعداری ہوتی ہے بلکہ اس سے بھی ارفع و اعلیٰ ہے اور اسی لحاظ سے حضرت عمر کی ایسی مخالفتیں جس کی حمایت میں وحی نازل ہو گئی ہے وہ آپکے مناقب میں شمار ہوتی ہیں -

و از آن جملہ است زُہد

گویند کہ ازہد الناس علی بود کرم اللہ وجہہ گوئیم زہد نام بے رغبتی است در ملاذ دنیا و در اولاد و اتباع و ازواج و حشم و خدم و بالیقین معلوم است کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام آورد و مال بسیار داشت و آن ہمہ اللہ و فی مرضات اللہ و رسولہ صرف کرد و جماعت را از ضعفائے مسلمین را خریدہ آزاد فرمود تا آنکہ ہیچ درم از مال او باقی نماند و از ین جہاں گذشت و ہیچ مزرعہ عقاری برائے خود نخرید و برائے اولاد خود نگذاشت و از بیت المال نگرفت

اور انہی احوال و اعمال سے ہے زُہد - بعضے لوگ کہتے ہیں کہ تمام لوگوں میں زیادہ بلکہ بہت ہی زیادہ علی کرم اللہ وجہہ زاہد تھے - پس اس کا جواب ہم اس طرح دیتے ہیں کہ زہد نام ہے بے رغبتی کا یعنی دنیا کی چیزوں کی رغبت نہ رکھنے اور اُن کے جمع نہ کرنے کا - یعنی دنیا کی لذیذ چیزوں کا دل میں شوق نہ ہو مثل اولاد اور تابعداروں اور عورتوں یعنی بیویوں اور نوکروں اور خادموں کا شوق نہ رکھتا ہو - اور بالیقین یہ بات متواترات سے معلوم اور کتب مذہب اور تواریخ سے اچھی طرح واضح اور روشن ہو چکی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام سے جب مشرف ہو گئے تو آپ مال بہت کثرت کیساتھ رکھتے تھے اور آپنے اس تمام مال کو محض اللہ کیواسطے اور رسول اللہ کی رضامندی کیواسطے خرچ کر دیا - اور ضعیف اور عاجز مسلمانوں کی جماعت کی جماعت کو خرید کر آزاد فرما دیا (یعنی مسلمان غلاموں کی

الّا بقدر قوت و بازار حصه خود که از
غنائم میرسید در بیت المال صرف
میکرد بخلاف علی مرتضی کرم الله وجهه
که ضیاع و عقار بسیار گرفت و مزارع
و باغات احداث فرمود و بر حال ابوبکر است
حال عمر بن الخطاب نیز چنانچه جمیع
صحابه آن وقت بازهد بودن او گواهی
داده اند اما علی مرتضی کرم الله وجهه
چون فوت شد چار زن گزاشت و
نوزده سریه و خادمان و غلامان بسیار
وقریب سی کس اولاد و برائے ایشان از
عقار و ضیاع بقدریکه بسبب آن
اغنیا بودند گذاشته رفت و قصبه ینبع
که از هزار وسق تمر ازان می آمد سوائے
غله و زراعت نیز از متروکه اوست رضی
الله عنه بخلاف عمر رضی الله عنه و نیز
زهد حقیقی آنست که نه بخود لذت دنیا
بردارد نه اقارب و اولاد خود را بدان متمتع
سازد و حال ابوبکر همین است که مثل
طلحه بن عبدالله برادرزاده داشت و
مثل عبدالرحمن بن ابی بکر پسری و مثل
عائشه دختری و یکی را ازینها عامل نفرمود
همچنین هیچکس را از بنی عدی عامل
نمی فرمود مگر نعمان بن عدی را که برمیسان
عامل فرموده و بزودی عزل نمود حالانکه

جماعتوں کو) یہاں تک کہ پھر ایک درم اور ایک پیسہ بھی
آپ کے پاس باقی نہیں رہا۔ اور اسی حال میں آپ اس جہان فانی
سے سفر آخرت کر گئے اور (باوجود بادشاہ اسلام ہونیکے
بھی) کوئی کھیت اور زمین کھیتی کی اپنے واسطے آپ نے
نہیں خرید فرمائی اور اپنی اولاد کیواسطے بھی کچھ نہ چھوڑ گئے
اور بیت المال سے آپنے صرف اپنی ضرورت بشری یعنی
خوراک کے موافق و مطابق سے زیادہ کبھی نہیں لیا اور
طرہ یہ ہے کہ جب غنیمت کا مال آجاتا تو آپ اپنے حصہ میں
سے اُسی قدر جو بیت المال سے لیا تھا واپس بیت المال
میں بھیجدیتے تھے (یہ حال تو ابوبکر صدیق کا ہے جو بیان ہو چکا
اب حضرت علی رضہ کا بھی سُنیئے) مرتضی علی کرم اللہ وجہہ کا
حال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بالکل خلاف ہے
یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ زمینیں کاشت کی بہت خرید
فرماتے اور رکھتے اور زراعتی زمینیں اور باغات بناتے
اور لگاتے تھے۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حال
بھی بالکل حضرت ابوبکر صدیق کے حال جیسا تھا چنانچہ
اُسوقت کے تمام صحابہؓ نے حضرت عمر بن الخطابؓ کے
سب سے زیادہ زاہد ہونے پر گواہی دی ہے لیکن مرتضی علی
کرم اللہ وجہہ جب فوت ہوئے تھے تو چار عورتیں بیویاں
چھوڑیں اور انیس باندیاں اور خادم اور غلام بہت سے چھوڑ گئے
اور تقریباً تیس آدمی اپنی اولاد کے چھوڑ گئے اور اپنی اس
مذکور اولاد کے لئے زمینیں اسقدر چھوڑ گئے کہ اُس سے
اُن کی اولاد غنی تھی اور اپنی جائداد میں ایک قصبہ ایسا چھوڑ
گئے کہ غلہ اور زراعت کے علاوہ فقط کھجوریں ہی ایکہزار
وسق کی آمدنی آیا کرتی تھی (ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے

از انہا مثل سعد بن زید و ابوجہیم ابن حذیفہ و خارجہ ابن خزاعہ و عمر بن عبداللہ و عبداللہ بن عمرؓ بودہ اند و مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ عبداللہ بن عباس را عامل بصرہ فرمودہ و عبیداللہ بن عباسؓ را در یمن و قثم بن عباس را بر مکہ و سعد ابن عباس را بر مدینہ و جعدہ ابن ہبیرہ را کہ ہمشیرزادہ اش بود بر کوفہ و محمد ابن ابی بکر را کہ ربیبش بود بر مصر و حضرت امام حسن را رضی اللہ عنہ بعد از خود خلیفہ ساخت و ہر چند این ہمہ اعمال و اشغال بمستحقان رسید لیکن در اقارب و خویشاوندان ابی بکر و عمر نیز مستحقین این مناصب بودہ اند لہٰذا عدنا لیس زہد آنہا ازو فرو اتم باشد از زہد علی کہ محض بر جان خود بود نہ بر اقارب خود آنہم در خس خوری و خس پوشی نہ در اتخاذ ضیاع و عقار و ازواج و سرایا و جواری و غلمان۔

اور ایک صاع تقریباً سوا تین سیر کا ہوتا ہے۔ (مترجم) یہ سب چیزیں آپ کی متروکہ ہیں جو ورثا میں تقسیم ہوئی تھیں اور یہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے حال کے بھی خلاف ہے اور یہ بھی سمجھ لیجئے کہ حقیقی زہد تو یہ ہے کہ آدمی نہ تو آپ دنیا کی لذتوں سے نفع اٹھائے اور نہ ہی اپنے اقارب اور اولاد کو اُس سے نفع حاصل کرنے دے اور حضرت ابوبکر صدیق کی یہی حالت تھی کہ حضرت طلحہ بن عبداللہ ایسا بھتیجا اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر ایسا بیٹا اور حضرت عائشہ صدیقہ حبیبۃ الرسول ایسی بیٹی رکھتے تھے۔ مگر ان میں سے کسی کو بھی کہیں کا عامل نہ بنایا ۔۔۔۔۔۔[۱] اور اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حال ہے کہ آپنے بھی بنی عدی سے کسی کو کسی جگہ یا کسی کام پر عامل نہیں بنایا سوائے نعمان بن عدی کے کہ اُن کو میسان پر عامل بنایا تھا مگر پھر جلدی سے ہی اُنکو معزول کر دیا تھا۔ حالانکہ سعد بن زید اور ابوجہیم بن حذیفہ اور خارجہ بن خزاعہ اور عمر بن عبداللہ اور عبداللہ بن عمر جیسے لوگ انہی بنی عدی میں موجود تھے۔ اور جناب مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے اقربا و رشتہ داروں میں سے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بصرہ کا عامل (صوبیدار) بنایا اور عبیداللہ بن عباس کو یمن میں عامل بنا کر بھیجا اور قثم ابن عباس کو مکہ معظمہ کا عامل بنایا اور سعد بن عباس کو مدینہ منورہ کا عامل بنا بھیجا اور اپنی ہمشیرہ زاد یعنی بھانجے جعدہ ابن ہبیرہ کو کوفہ کا عامل کر دیا تھا۔ اور محمد ابن ابی بکر صدیق کو (جو کہ آپ کا ربیب تھا، یعنی ان محمد کی والدہ اسماء بنت عمیس کیساتھ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کر لیا تھا تو ان محمد کو آپنے پرورش کیا تھا۔ اسلئے ان کو) مصر کا عامل بنا دیا تھا اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد

[۱] یہاں پر کچھ کمی معلوم ہوتی ہے یعنی قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کاتب حضرت عمر فاروق کا نام لکھنا بھول گیا ہے۔ شاید کہ یہاں پر یوں ہو۔ وہمچنین حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ بود کہ ہیچکس را از بنی عدی عامل نہ فرمودہ

خلیفہ بنایا تھا۔ اور اگرچہ یہ تمام اعمال و اشغال مستحقوں اور حقداروں کو ہی پہنچے ہیں لیکن ایسے مستحق اور حقداران منصبوں کے شیخین یعنی ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے اقربا اور رشتہ داروں میں بھی موجود تھے۔ (مگر بسبب زہد اور تقوی کے ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے اپنے قرابتداروں کو یہ عہدے اور منصب نہیں دئے ان کو اس سے بچایا۔ لہذا زہد میں اس لحاظ سے شیخین رض حضرت علی رض سے بہت ہی افضل و اعلی تھے۔ مترجم غفرلہ) جیسا کہ ہم نے شمار کیا ہے۔ پس واضح ہو گیا کہ شیخین کا زہد زیادہ اور کامل تھا مرتضی علی کے زہد سے کیونکہ ان کا زہد محض آپ کی جان پر تھا ان کے خویش و اقربا کیواسطے نہ تھا اور علی رضی اللہ عنہ کا زہد جو تھا وہ صرف موٹا جھوٹا کھانے اور موٹا جھوٹا پہننے میں تھا۔ یعنی عمدہ اور مکلف نہ کھانا پہننا نہ تھا بلکہ بہت سادہ تھا ورنہ جائداد اور زمین اور کھیت باڑی اور بہت عورتیں اور باندیں اور غلاموں کے رکھنے میں ہرگز زاہد نہ تھے

و از انجملہ است صدقہ و انفاق فی سبیل اللہ

و این خود امر ظاہر است کہ مرتضی علی کرم اللہ وجہہ را درین باب مشارکت نیست با ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اگر دریں جا حرف توان زد از عثمان ابن عفان توان زد کہ وی درین امر گوئے سبقت ربودہ است و در عمارت مسجد نبوی و تسبیل بیر رومہ و تجہیز جیش العسرت مبالغ خطیرہ صرف نمودہ و جہاد بالمال را باقصی غایت رسانیدہ لیکن ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بروے بحسب جہاد و علم و زہد افضل بودہ اند و آنچہ گویند کہ علی مرتضی کرم اللہ وجہہ ہیچگاہ بت را نہ پرستیدہ برخلاف ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کہ ہم بہ پرستیدن بت

اور ان اعمال و اشغال کی قسم سے صدقہ اور اللہ تعالی کی راہ میں مال کا خرچ کرنا ہے اور یہ امر خود ہی اچھی طرح سے ظاہر و مشہور ہے کہ علی مرتضی کرم اللہ وجہہ کو اس معاملہ میں کچھ بھی شرکت اور برابری اور ہمسری نہیں ہے ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ساتھ۔ البتہ اگر اس معاملہ میں اس موقع پر اگر کچھ کلام کر سکتے ہیں حضرت عثمان بن عفان کے حق میں تو بیشک کر سکتے ہیں اسلئے کہ حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ اس صدقہ اور خرچ فی سبیل اللہ میں بازی جیت گئے ہیں اور مسجد نبوی (مدینہ منورہ کی مسجد) کی تعمیر کرنے اور بنانے میں اور رومہ کا کنواں خرید کر وقف فی سبیل اللہ کرنے میں اور جیش عسرت (تنگی کے زمانہ کی فوج یہ تبوک پر چڑھائی کرنیوالی نبی علیہ السلام کی فوج کا نام ہے اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بہت مال دیا تھا یعنی دس ہزار اشرفیاں اور نوسو انچاس اونٹ مع ساز و سامان کے اور تین سو عربی گھوڑے اور بہت سامان کھانے پینے کا دیدیا تھا سیرۃ حلبیہ جلد دوم جسکی طرف مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ میں

بسبب صغر سن ہیچ بزرگی ندارد و
بالاجماع ثابت است کہ عمر مرتضیٰ علی
کرم اللہ وجہہ شصت و سہ سال بود
در سنہ چہلم از ہجرت شہادت یافتہ
و سیزدہ سال پیش از ہجرت بعثت
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم واقع شدہ
پس عمر مرتضیٰ در وقت بعثت دہ سال
بودہ باشد و درین عمر ہمیشہ در خانہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم پرورش یافتہ و
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاشا کاہی
مشغول بت پرستی نبود و قاعدہ اطفال
است کہ آنچہ از بزرگان خود می بینند
بموجب آن عمل می کنند و اگر بت نہ
پرستیدن موجب افضلیت مطلقہ شود
لازم آید کہ ہر موجودے کہ در اسلام
پیدا شود از حمزہ و جعفر و سلمان و
مقداد و عمار افضل باشد۔

یہ اشارہ فرمایا ہے) کے سامان بہم پہنچانے میں بہت سا روپیہ
خرچ فرماکر مالی جہاد کو نہایت اعلیٰ درجہ تک پہنچایا ہے لیکن
پھر بھی ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما حضرت
عثمان رضی اللہ عنہ سے لبسبب جہاد اور علم اور زہد کے افضل تھے
اور یہ جو بعضے لوگ کہتے ہیں کہ علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے
کبھی بھی بت پرستی نہیں کی ہے برخلاف ابوبکر صدیق
اور عمر فاروق کے رضی اللہ عنہما (اس کا جواب) ہم کہتے
ہیں کہ بچپنے کی وجہ سے بتوں کا نہ پوجنا کچھ بھی بزرگی و
افضلیت نہیں رکھتی ہے اور یہ بات اجماع سے ثابت ہے
کہ مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ کی عمر چھیاسٹھ سال کی تھی اور چالیسویں
سال میں ہجرت کے بعد آپ نے شہادت پائی ہے اور تیرہ برس
ہجرت سے پہلے آنحضرت کی بعثت (نبوت) ہوئی ہے
تو اس حساب سے عمر مرتضیٰ علی رض کی بعثت کیوقت دس
سال کی ہوتی ہے اور ان دس سال میں آپ ہمیشہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان مبارک میں رہتے اور پرورش پاتے
رہتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو حاشا وکلا کبھی
بھی مشغول بت پرستی نہیں ہوئے ہیں۔ اور یہ قاعدہ
مستمرہ معروف و مشہور ہے کہ بچے جو کچھ اپنے بزرگوں کو کرتے ہوئے دیکھتے ہیں اس کے مطابق
ہی وہ بھی عمل کرتے ہیں (لہذا حضرت علی رض نے اپنے بزرگ رسول خدا کو جو کچھ کرتے دیکھا وہی کرتے
رہے) اور اگر یہی مان لیا جائے کہ بتوں کا نہ پوجنا ہی سبب ہے فضیلت مطلقہ کا تو اس سے یہ بات
لازم آئے گی کہ جو کوئی بھی قیامت تک اسلام میں مسلمان پیدا ہوگا وہ حضرات حمزہ اور جعفر اور
سلمان اور مقداد اور عمار رضوان اللہ علیہم اجمعین سے افضل ہوگا (حالانکہ کوئی مسلمان اسکا قائل نہیں ہے)

**واز انجملہ است خلافت
و حسن سیاست و کفایت
مہمات آن کہ در حقیقت مجمع**

اور منجملہ ان احوال و اعمال کے ہے خلافت اور سیاست
کی خوبی اور خلافت و سیاست کے مہمات کیلئے کافی ہونا
جو حقیقت میں اسلام کے تمام نیک عملوں کا مجمع ہے،

جمیع اعمال خیر است و درینجا خود
افضلیت ابوبکر و عمر ظاہر و باہر است
زیرا کہ اول بعد از موت پیغمبر صلی اللہ
علیہ وسلم فتنہ مرتدین واقع شد
و دران واقعہ ضعف ہیچکس ثابت
تر از ابوبکر نبود بحسن سیاست و تدبیر
و کفایت او آن فتنہ منتفی شد
باز با کسریٰ و قیصر منازعت افتاد
و غلبہ اسلام روز بروز در ترقی و تزاید
شد تا آنکہ فارس و عراق و شام
دار الاسلام شد و فقراء مسلمین
اغنیاء شدند و ذلیل ایشان عزیز
شد و ہرگز درمیان ایشان اختلاف
نیفتاد و ہمہ مشغول بقرات قرآن
و تفقہ فی الدین و عبادات و ریاضات
گشتند و در عہد حضرت عمر رضی اللہ
عنہ ہمہ این معانی بکمال خود رسید
بخلاف حضرت مرتضیٰ علی کرم اللہ
وجہہ کہ در وقت او ہیچ قریہ مفتوح
نشد و غیر از خانہ جنگی و قتال
و جدال اہل اسلام را کاری نماند
و قرات قرآن و عبادات ہمہ منسی
و فراموش گشت و غیر از طعنہ در
کبرای اسلام و تجسس عیوب ہمدیگر
و بدگفتن بعض مر بعض را شغلی

اور اس محل میں افضلیت حضرت ابوبکر صدیق و حضرت
عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی خود ظاہر و باہر ہے کہ پیغمبر صلی
اللہ علیہ وسلم کے وفات پانے کے بعد ہی فوراً پہلے پہل
فتنہ و فساد مرتدین اور اہل ردت کا پیدا و ظاہر ہوا اور
اس حادثہ میں کسی کا ضعیف ہونا ابوبکر صدیق سے زیادہ
ثابت نہ تھا۔ تاہم حضرت ابوبکر صدیق کی ہی تدبیر اور
سیاست کی خوبی اور کفایت سے وہ فتنہ دفع اور نفی ہوا
اور پھر کسریٰ (بادشاہ ایران) اور قیصر (بادشاہ روم) کے
ساتھ جھگڑا پڑ گیا اور اسلام کا غالب ہونا ہر روز ترقی اور
زیادتی پر ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ فارس، عراق، اور شام
دار الاسلام بن گئے اور مسلمان جو فقیر تھے غنی بن گئے اور
جو ذلیل تھے وہ عزیز یعنی غالب ہو گئے اور مسلمانوں میں
کبھی کسی امر میں اختلاف ظاہر نہیں ہوتا تھا اور تمام مسلمان
قرآن مجید کے پڑھنے میں مشغول و مصروف تھے اور
اور دین کے علم فقہ میں اور عبادتوں میں اور ریاضتوں میں
لگے ہوئے تھے۔ اور پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
کے زمانہ سعادت نشانہ میں یہ تمام مذکورہ بالا کام اپنے
کمال کے درجے میں پہنچ گئے تھے۔ بخلاف علی مرتضیٰ کرم اللہ
وجہہ کے یعنی اُن کے زمانہ میں کوئی بستی فتح نہیں ہوئی
اور سوائے آپس میں خانہ جنگی اور لڑائی جھگڑوں کے
اہل اسلام کا (گویا کہ) اور کوئی کام رہا ہی نہ تھا اور قرآن
پاک کا پڑھنا اور عبادتیں کرنا تمام کے تمام بھول بسر گئے
تھے۔ اور اسلام کے بزرگوں اور بڑے لوگوں کے حق میں
طعن و تشنیع کے سوا اور آپس میں ایک دوسرے کی عیب جوئی
اور بدگوئی کے سوا اور کوئی شغل ہی نہیں رکھتے تھے۔

نداشتند پس مثل آفتاب روشن گشت کہ حضرت ابوبکر و عمر را رضی اللہ عنہما ہم در جہاد و ہم در علم و ہم در قرارت و ہم در زہد و ہم در تقوی و خشیہ و صدقہ و حسن سیاست خلافت و طاعت خدا و رسول و محبت دین و ترویج احکام شریعت مرتبہ الیست کہ دیگرے را اصلا نیست و ہمیں امور اشارع موقعہ فضل و بزرگی گردانیدہ و سابق گزشت کہ سیادت و علو نسب و قرب قرابت با رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و بلاغت عبارت و فصاحت الفاظ و قوۃ جلادت و شمشیر بازی و نیزہ بازی را باین فضل کہ متنازعہ فیہ است مساسی نیست

تو (اس معاملہ کو دیکھتے ہوئے) آفتاب کی طرح روشن ہوگیا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا جہاد میں بھی اور علم میں بھی اور قرآن کریم کی قرارت و تلاوت میں بھی اور زہد میں بھی اور تقوے اور پرہیزگاری میں بھی اور خشیۃ میں اور صدقہ میں اور حُسن سیاست و خلافت میں اور خدا اور رسول خدا کی اطاعت و تابعداری میں اور دین کی محبت میں اور شریعت کے قوانین اور احکام کے جاری کرنے اور رواج دینے میں بھی ایسا بڑا مرتبہ اور درجہ ہے جو اور کسی کو وہ درجہ ہرگز بھی حاصل نہیں ہوا ہے اور انہی مذکورہ چیزوں کو شارع (شریعت اسلام کو جاری کرنے والا) نے محل اور موقع فضیلت اور بزرگی کا بنایا اور مقرر فرمایا ہے اور اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ سیادت (سیّد اور سردار ہونا) اور بلندی و بزرگی نسب کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت اور رشتہ کی نزدیکی اور عبارت کی بلاغت اور الفاظ کی فصاحت اور قوت اور چستی اور بہادری اور شمشیر بازی اور نیزہ بازی کو اس فضیلت و بزرگی کے ساتھ جو متنازعہ فیہ (جس میں باہم جھگڑا ہے) کچھ بھی ہمسری اور برابری نہیں ہے (فقیر کے نزدیک یہ جو جناب علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی نسبت قوت اور بہادری اور شمشیر زنی و نیزہ بازی اور چستی و چالاکی لڑائی کے باب میں مشہور ہے یہ نہ معلوم کس بنا پر مشہور ہے کیونکہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے کسی معرکہ میں ایسا کوئی نمایاں کام نہیں ہوا ہے کہ بہ نسبت اور اصحاب کرام کے ممتاز رہے ہوئے بلکہ ہر معرکہ میں آپ نے جیسے کام کئے ہیں ویسے ہی بلکہ اُن سے کہیں زیادہ اور صحابہ نے کئے ہیں اور دیگر صحابہ کرام نے جو جو کام کئے ہیں آپ کے کسی کام کو اُن کے ساتھ کچھ مناسبت ہمسری اور برابری کی نہیں ہے چنانچہ حضرت خالد بن ولید اور عبدالرحمن بن ابی بکر اور ابو عبیدہ ابن الجراح وغیرہم بہادران اسلام کے کارنامے مثل آفتاب نصف نہار ناقابل انکار بلکہ واجب تسلیم و اقرار ہیں۔ . . . .